کامیابی ڈائجسٹ
مدیر اعلا سید عرفان احمد
حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
کی تالیف
نشر الطیب
کی تسہیل
مختصر سیرتِ نبوی ﷺ
سید عرفان احمد
/QURANICA7

نشر الطیب

کی تسہیل

مختصر سیرتِ نبوی ﷺ

از سید عرفان احمد

Facebook Page

YouTube Channel

Scribd Address
Irfan.kamyaby

eMail
kamyaby.org@gmail.com

Websites
HappyPakistan.club
kamyaby.org

فون 0311-242-77-66 زونگ
0335-242-77-66 یوفون
وٹسیپ 0301-242-77-66 جازکیش

قارئین سے گزارش...

اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے پہلے ہر بار کم از کم ایک مرتبہ یہ دعا ضرور پڑھ لیجیے۔ پھر ایک مرتبہ درود شریف پڑھ کر مطالعہ شروع کیجیے۔ آپ اس کتاب کے مطالعے سے غیر معمولی برکت و راحت اپنی زندگی کے ہر شعبے میں پائیں گے۔ ان شاء اللہ

از سید عرفان احمد کامیابی (مُسہِل)

مورخہ 23 مارچ 2020 بہ روز پیر

اللہ اللہ اللہ

جیسے کتاب ''نشر الطیب'' کی تالیف کی برکت سے
تو نے تھانہ بھون شہر کو طاعون کی وبا سے محفوظ فرمایا
ایسے ہی ''نشر الطیب'' کی تسہیل کی برکت سے
اے اللہ
ملک پاکستان، بالخصوص میرے شہر اور محلے،
میرے گھر بار، میرے قریب و دُور کے اعزا اور احباب کو
کرونا وائرس کی وبا سمیت ہر آفت اور بلا سے محفوظ فرما دے۔ آمین

نام کتاب	نشر الطیب از مولانا اشرف علی تھانویؒ
تسہیل	سید عرفان احمد
زیر اہتمام	کامیابی ڈائجسٹ، کراچی
طابع	الیکٹرونک اشاعت
پہلی اشاعت	یکم شعبان 1441 ہجری، 26 مارچ 2020ء
قیمت	دعائے خیر / عطیہ حسب خواہش
ناشر	کامیابی ڈائجسٹ کراچی

فہرست

عرفانِ سنار

مطالعے کا رجحان جس تیزی سے کم ہوا، وہ عیاں ہے۔ اکیسویں صدی کو اگرچہ ''علم کی صدی'' کہا جاتا ہے، لیکن اگر آپ برا نہ منائیں تو حقیقت یہ ہے کہ یہ Information age تو نہیں، جہالت کی صدی ہے۔ اور ایسا ہونا ہی تھا کہ خود خاتم الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں فرما چکے ہیں کہ میرا دَور یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دَور سب سے بہتر ہے، اس کے بعد جیسے جیسے ادوار مجھ سے دُور ہوتے جائیں گے، ویسے ویسے دَور کمزور پڑتے رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت آن پہنچے۔

خیر القرون قرنی، ثم الذین یلونهم، ثم الذین یلونهم

(مسند البزار، مسند بریدة بن الحصیب، رقم الحدیث: 4506، 2/149)

اگر ایک جانب جہل پھیلا ہے تو اس کا ایک سبب مطالعے سے عدم رغبت ہے۔ اب لوگ طویل اور لمبی بحثیں پڑھنے کی بجائے مختصر چیزیں پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ کمپیوٹر کی تیز رفتاری نے مزاجوں میں بھی تیزی پیدا کر دی ہے۔ نوجوان طبقہ یوں بھی مذہب سے خاصا بے گانہ دکھائی دیتا ہے، اس پر مستزاد ثقیل مذہبی کتابیں انھیں مزید بیزار کرتی ہیں۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر میں نے یہ خواہش کی کہ ایک ایسا سلسلہ کتب تیار کیا جائے جو اپنے تئیں مختصر، مگر جامع انداز میں معلومات اپنے قاری تک پہنچائے۔ چنانچہ اس سلسلے کی پہلی کتاب سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر پیش ہے۔

اس کتاب کی تالیف کے دوران میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب ''نشر الطیب'' کو اصل ماخذ کے طور پر منتخب کیا گیا۔ اس لیے اگر کسی قاری کو میری تالیف

میں کوئی بات خلافِ سنت یا خلافِ سند ملے تو وہ حضرت تھانویؒ کی اس کتاب کا مطالعہ کرلے۔اس کتاب کو اصل ماخذ قرار دینے کی وجہ خود ''نشر الطیب'' کی برکات وثمرات ہیں جو حضرت تھانوی نے اپنی اسی کتاب کے دیباچہ میں تحریر فرمائے ہیں۔

آج کل بعض ظاہری فتنوں جیسے طاعون، زلزلہ، مہنگائی، اور باطنی فتنوں بدعات، الحاد وفسق وفجور وغیرہ کے باعث لوگ پریشان اور مشوش رہتے ہیں،تو ایسی آفات کے دَور میں علمائے امت نے ہمیشہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے ذکر کی تلاوت وتالیف اور نظم نیز سلام وصلوٰۃ کی کثرت کا اہتمام کیا ہے۔بخاری شریف کے ختم کا معمول اور حصن حصین کی تالیف اور قصیدۂ بردہ شریف کی تصنیف کی وجوہ تو بہت مشہور ہیں۔

آگے لکھتے ہیں:

میرے دل میں بھی یہ بات آئی کہ اس کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و روایات بھی خوب ہوں گے اور درود شریف بھی لکھا جائے گا۔اسے پڑھنے اور سننے والے اس کی کثرت کریں گے۔کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی برکت سے ان مسائل و مشکلات سے نجات دے دیں۔

یہ حیرت انگیز بات بھی لکھنے کے قابل ہے کہ اس کتاب کی تالیف شروع کرنے سے پہلے مسلسل زلزلے آچکے تھے۔زمانہ تالیف میں ہندستان طاعون کی وبا کا شکار تھا، بلکہ اس کی شدت تھی۔تاہم اس کتاب کی تالیف سے تادم تحریر (ربیع الثانی 1329ھ بہ مطابق،اپریل 1911ء) بہ فضلہ تعالیٰ تھانہ بھون ہر قسم کی بلا سے محفوظ ہے، حالانکہ دیگر مقامات پر طاعون کی شدت ہے۔مگر یہاں کچھ نہیں ہوا۔پہلے میرا یقین تھا کہ یہاں طاعون نہیں ہوگا،مگر اب مشاہدے کے بعد یہ

ظاہر کرتا ہوں کہ میرا یہ خیال تھا کہ سیرت کی تالیف کی برکت سے ایسا ہوگا، یہ صحیح ثابت ہوا۔ اب میں یہ امید بھی کرتا ہوں کہ اگر یہ کتاب شائع ہوئی تو جہاں جہاں اس کا بہ طریق سنت پڑھا یا سنا جائے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ ہر قسم کا امن وسکون میسر ہوگا۔ باقی، ہر شخص کا یقین ہے کہ حدیث قدسی میں ہے: انا عند ظن عبدی بہ۔

اس کتاب کی پہلی الیکٹرونک اشاعت آج یکم شعبان المعظم 1441ھ، 26 مارچ 2020ء کو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کرنے جا رہا ہوں۔ ان دنوں کراچی سمیت پوری دنیا میں کرونا وائرس کی وبا نے انسان کو عاجز کر رکھا ہے۔ پاکستان سمیت دنیا کے بیش تر ملکوں میں لاک ڈاؤن چل رہا ہے۔ درج بالا تجربے کی طرح، مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے یہ قوی امید ہے کہ اس کتاب کی اس اشاعت کی برکت سے اللہ تعالیٰ کراچی اور پاکستان سمیت پوری دنیا میں اس وبا کا خاتمہ فرمادے گا۔ اِن شاء اللہ

اس لیے قارئین کرام سے گزارش ہے کہ ان دنوں خاص کر اسی نیت سے اس کتاب کا مطالعہ کریں اور اپنے حلقۂ احباب میں اسی نیت سے اسے زیادہ سے زیادہ شیئر کریں۔

سید عرفان احمد

کتاب کی تسہیل اور تحریر کے دوران انتہائی احتیاط کی گئی ہے۔ اس کے باوجود انسان ہونے کے ناتے کہیں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو ضرور آگاہ کریں، تاکہ اسے اگلے ایڈیشن سے پہلے درست کیا جاسکے۔ شکریہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیۡتَ

عَلٰی اِبۡرَاھِیۡمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبۡرَاھِیۡمَ

اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ ؕ

اَللّٰھُمَّ بَارِکۡ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی

اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکۡتَ عَلٰی

اِبۡرَاھِیۡمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبۡرَاھِیۡمَ

اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ ؕ

رسول اللہؐ کے فضائل ومناقب

نورِ محمدیؐ - فضائل و بیان

پہلی روایت: حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، مجھے بتایئے کہ سب چیزوں میں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے جابر، اللہ تعالیٰ نے تمام اشیا سے پہلے تمھارے نبیؐ کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا، سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی اور نہ قلم تھا، بہشت تھی اور نہ دوزخ تھا، فرشتہ تھا اور نہ آسمان تھا۔ زمین تھی اور نہ سورج تھا اور نہ چاند تھا، جن تھا اور نہ انسان تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے دیگر مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کیے اور ایک حصے سے قلم پیدا کیا او دوسرے لوح، اور تیسرے عرش...'' (آگے مزید حدیث ہے)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے نورِ محمدیؐ تخلیق کیا گیا۔

دوسری روایت: حضرت عرباضؓ بن ساریہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بے شک میں حق تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا اور آدم علیہ السلام ابھی تک اپنے خمیر ہی میں پڑے تھے (یعنی اُن کا پتلا بھی تیار نہ ہوا تھا)۔

تیسری روایت: صحابہ کرامؓ نے پوچھا، یا رسول اللہ، آپؐ کیلئے نبوت کس وقت ثابت ہو چکی تھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان ہی تھے۔(یعنی اُن کے بدن میں جان نہیں آئی تھی۔)

چوتھی روایت: ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپؐ کب نبی بنائے گئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''(میں اس وقت نبی بنایا گیا کہ) آدم اُس وقت روح اور جسم کے درمیان تھے کہ جب مجھ سے نبوت کا میثاق (عہد) لیا گیا۔''

پانچویں روایت: حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے پروردگار کے حضور میں ایک نور تھا۔''

چھٹی روایت: ابی سہل قطان کی امالی کے ایک جزو میں سہل بن صالح ہمدانی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر محمد بن علی (امام محمد باقر) سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب انبیا سے تقدم کیسے ہوگیا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخر میں مبعوث ہوئے؟ انھوں نے جواب دیا:

''جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پشتوں میں سے اُن کی اولاد کو (عالم میثاق میں) نکالا تو سب سے پہلے (جواب میں) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بلیٰ (بے شک، کیوں نہیں) کہا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب انبیا پر تقدم ہے، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخر میں تشریف لائے۔''

ساتویں روایت: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے تو حضرت عباسؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی اور فرمایا، کہو، اللہ تعالیٰ تمھارے منھ کو سلامت رکھے۔ تب انھوں نے یہ اشعار پڑھے:

من قبلها طبت فی الظلال و فی	مستودع حیث یخصف الورق
ثم هبطت البلاد لا بشر	انت ولا مضغة ولا علق
بل نطفة ترکب السفین وقد	الجم نسرا و اهله الغرق
تنقل من صالب الی رحم	اذا مضی عالم بدا طبق
وردت نار الخلیل مکتتما	فی صلبه انت کیف یحترق
حیٰ حتوی بیتک المهیمن من	خندو علیا ء تحتها النطبق
و انت لما ولدت اشرقت	الارض و ضاء ت بنرک الافق
فنحن فی ذلک الضیاء و فی النور	سبل الرشاد نخترق

ترجمہ: زمین پر آنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے سائے میں خوش حالی میں تھے اور ودیعت گاہ کہ جہاں (جنت کے درختوں کے) پتے اوپر تلے جوڑے جاتے تھے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلب آدم میں تھے) لہٰذا، زمین پر بھیجے جانے سے پہلے کہ جب وہ جنت کے سایوں میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کی طرف آئے۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ انسان تھے، نہ مضغہ، نہ علق (کیوں کہ یہ تینوں حالتیں جنین کے بہت قریب ہوتی ہیں)۔ اس کے علاوہ زمین پر آنا بھی حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعے ہے۔ المختصر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت انسانی کیفیت میں نہ تھے بلکہ ایک مادۂ مائیہ تھے کہ وہ مادہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار تھا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی یہ مادہ تھا۔ اسی طرح، دور گزرتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مادہ مائیہ نسل درنسل سفر کرتا ہوا حضرت آمنہ بی بی تک پہنچا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے زمین روشن ہوگئی اور آسمان منور ہو گئے۔ ہم اس نور اور اس نور میں ہدایت کے راستوں کو قطع کرنے والے ہیں۔

آپؐ کی فضیلت، دیگر انبیا میں

پہلی روایت: حضرت آدم علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک عرش پر لکھا دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا، ''اگر محمدؐ نہ ہوتے تو میں تمھیں پیدا نہ کرتا۔''
اس سے حضرت آدم علیہ السلام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ظاہر ہے۔

دوسری روایت: حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب آدم علی السلام سے خطا ہوئی تو انھوں نے (اللہ تعالیٰ کی بارگارہ میں) عرض کیا کہ آپ سے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت کر دیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسے پہچانا، حالانکہ اب تک میں نے انھیں پیدا ہی نہیں کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب، جب آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی شرف دی ہوئی روح پھونکی تو میں نے جب سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ لہٰذا، مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ آپ کے نام کے ساتھ ایسے شخص کا نام ہی آ سکتا ہے جو آپ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تم سچے ہو۔ واقعی، وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں۔ اور جب تم نے اُن کے واسطے سے مجھ سے مغفرت کی درخواست کی ہے تو میں نے تمھاری مغفرت کی۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تمھیں بھی پیدا نہ کرتا۔''

تیسری روایت: ابن جوزی نے اپنی کتاب سلوۃ الاحزان میں ذکر کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے جب حضرت حوا علیہا السلام سے قربت کرنا چاہی تو انھوں نے مہر طلب کیا۔ آدم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے رب، میں انھیں مہر میں کیا چیز دوں؟ ارشاد ہوا، ''اے آدم! میرے حبیب محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بیس مرتبہ درود بھیجئے۔'' چنانچہ حضرت آدم نے ایسا ہی کیا۔

چوتھی روایت: عرباض بن ساریہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مصداق ہوں، اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔'' اس حدیث میں دو قرآنی دعاؤں کی طرف اشارہ ہے جن میں سے ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

(سورۃ البقرہ، 128)

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنا دے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا فرمانبردار بنا۔

دوسری دعا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے:

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (سورہ الصّف، 6)

ترجمہ: میں بشارت دینے والا ہوں ایک پیغمبر کی جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا۔

پانچویں روایت: مشکات میں بخاری سے بہ روایت عبداللہ بن عمرو بن عاص آیا ہے کہ تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوبی لکھی گئی ہے: ''اے پیغمبر، ہم نے تمھیں بھیجا ہے امت کے حال کا گواہ بنا کر اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور امیین کے گروہ کی

پناہ بنا کر (اس سے مراد امت محمد یہ ہے، جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہم ایک امی جماعت ہیں)؛ آپؐ میرے بندے ہیں اور میرے پیغمبر ہیں۔ میں نے آپؐ کا نام ''متوکل'' رکھا ہے۔ آپؐ نہ بد خلق ہیں اور نہ سخت مزاج؛ نہ بازاروں میں شور مچاتے پھرتے ہیں اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ معاف کر دیتے اور بخش دیتے ہیں؛ اللہ تعالیٰ آپؐ کو وفات نہ دیں گے جب تک کہ آپؐ کی حکمت سے راہ کج (کفر) کو ایمان سے نہ بدل دیں کہ لوگ کلمہ پڑھنے لگیں اور یہاں تک کہ اس کلمے کی برکت سے نابینا آنکھوں، ناشنوا کانوں اور سربستہ دلوں کو کشادہ نہ کر دیں (یعنی جب تک دین حق اسلام خوب پھیل نہیں جائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوگی)۔

چھٹی روایت: مشکات میں حضرت کعب سے مروی ہے کہ وہ توریت سے نقل کرتے ہیں... اس میں لکھا ہے کہ محمد رسول اللہ میرے پسندیدہ بندے ہیں۔ بدی کا بدلہ بدی سے نہیں دیتے، بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر فرما دیتے ہیں۔

ساتویں روایت: مشکات میں ترمذی سے یہ روایت حضرت عبداللہ بن سالم مروی ہے کہ توریت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت لکھی ہوئی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپؐ کے ساتھ دفن ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف ونسب

پہلی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں محمد ہوں، عبداللہ کا بیٹا اور عبدالمطلب کا پوتا۔ اللہ تعالیٰ نے جو مخلوق پیدا کی تو اس میں مجھے سب سے اچھے گروہ میں بنایا، یعنی انسان۔ پھر انسان میں دو فرقے پیدا کیے، عرب اور عجم تو مجھے ان میں بھی بہتر فرقے یعنی عرب میں بنایا۔ پھر، عرب میں کئی قبیلے بنائے اور مجھے سب سے اچھے قبیلے میں پیدا کیا، یعنی قریش میں۔ پھر، قریش میں کئی خاندان بنائے اور مجھے ان میں سب سے اچھے

خاندان میں پیدا کیا یعنی بنی ہاشم میں۔ لہٰذا، میں ذاتی طور پر اچھا ہوں اور خاندان میں بھی سب سے اچھا ہوں۔

دوسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں۔ سفاح (بلا نکاح) سے پیدا نہیں ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک جاہلیت کا کوئی لوث مجھ تک نہیں پہنچا۔

تیسری روایت: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے بزرگوں میں سے کبھی کوئی مرد و عورت ناجائز طور پر نہیں ملے۔ اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاک اور مہذب رحموں کے ذریعے ہی ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل کرتا رہا۔ جب کبھی دو شعبے ہوئے (جیسے عرب و عجم یا قریش و غیر قریش وغیرہ) تو میں بہترین میں رہا۔

چوتھی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام سے حکایت فرماتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں تمام مشارق و مغارب میں پھرا، میں نے کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں دیکھا۔ نہ کوئی خاندان بنی ہاشم سے افضل پایا۔

پانچویں روایت: واثلہ بن الاسقع سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتخب کیا، اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو، کنانہ میں سے قریش کو، قریش میں سے بنی ہاشم کو، اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ مبارک

پہلی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ مبارک جب عبدالمطلب میں منتقل ہوا اور وہ جوان ہو گئے تو ایک دن حطیم میں سو گئے۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ آنکھ میں سرمہ لگا ہوا

ہے، سر میں تیل پڑا ہوا ہے اور حُسن و جمال کا لباس پہنا ہوا ہے۔ انھیں سخت حیرت ہوئی کہ کچھ معلوم نہیں، یہ کس نے کیا ہے۔ ان کے والد ان کا ہاتھ پکڑ کر کاہنانِ قریش کے پاس لے گئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ جان لو کہ آسمانوں کے رب اس نوجوان کے نکاح کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ انھوں نے پہلے تو قیلہ سے نکاح کیا اور اُن کی وفات کے بعد فاطمہ سے نکاح کیا۔ فاطمہ کے ہاں عبداللہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد) کا حمل ٹھیرا۔ عبدالمطلب کے بدن سے مشک کی خوش بو آتی تھی اور اُن کی پیشانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور چمکتا تھا۔ جب قریش میں قحط میں ہوتا تو وہ عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ کر جبل ثبیر کی طرف جاتے تھے اور اُن کے واسطے سے حق تعالیٰ کا تقرب ڈھونڈتے اور بارش کی دعا کرتے۔ یوں، اللہ تعالیٰ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے بارانِ عظیم نازل فرماتے۔

دوسری روایت: جب عبدالمطلب اپنے فرزند عبداللہ کا نکاح کرنے کی غرض سے لے کر چلے تو ایک کاہنہ پر گزرے جو یہودی ہوگئی تھی اور سابقہ آسمانی کتابیں پڑھی تھیں۔ اسے ''فاطمہ خثعمیہ'' کہتے تھے۔ اس نے عبداللہ کے چہرے میں نورِ نبوت دیکھا تو عبداللہ سے شادی کی خواہش کی۔ مگر عبداللہ نے انکار کر دیا۔

تیسری روایت: جب ابرہہ بادشاہ اپنے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ پر حملے کیلئے آیا تو عبدالمطلب چند آدمیوں کے ساتھ جبل ثبیر پر چڑھے۔ اس وقت عبدالمطلب کی پیشانی پر نورِ مبارک گول چاند کی صورت نمودار ہو کر خوب روشن ہوا، یہاں تک کہ اس کی شعاع خانہ کعبہ پر پڑی۔ عبدالمطلب نے یہ بات دیکھ کر قریش سے کہا کہ چلو، یہ نور اس طرح جو چمکا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہم دشمن پر غالب رہیں گے۔ اس دوران ابرہہ کے لشکر کے چند لوگ عبدالمطلب کے چند اونٹ پکڑ کر لے گئے تھے۔ عبدالمطلب اپنے اونٹ چھڑانے کیلئے ابرہہ کے پاس پہنچے۔ اس نور کی وجہ سے عبدالمطلب کے چہرے

پر عظمت اور مہابت نمایاں تھی۔ ابرہہ نے جب انھیں دیکھا تو اُن کی نہایت تعظیم کی اور تخت سے اتر کرانھیں اپنے ساتھ بٹھایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض برکات بہ صورتِ حمل

پہلی روایت: آپؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حمل میں آتے تو اُن کو خواب میں بشارت دی گئی کہ تم اس امت کے سردار کے ساتھ حاملہ ہوئی ہو۔ جب وہ پیدا ہوں تو یوں کہنا، اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد (ترجمہ:) اور اُن کا نام ''محمدؐ'' رکھنا۔

دوسری روایت: دورانِ حمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے ایک نور دیکھا جس سے شہر بصری علاقہ شام ک محل اُنہیں نظر آئے۔

تیسری روایت: آپ کی والدہ ماجدہ روایت کرتی ہیں کہ میں نے (کسی عورت کا) کوئی حمل نہیں دیکھا جو آپؐ سے زیادہ آسان ہو۔ بعض احادیث میں ہے کہ ایسا؟؟ ثقل ہوا کہ اس کی شکایت عورتوں سے کی۔

ولادتِ شریفہ کے وقت بعض واقعات

پہلی روایت: آمنہ بنت وہب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ) کہتی ہیں کہ جب آپؐ میرے بطن سے جدا ہوئے تو آپؐ کے ساتھ ایک نور نکلا جس کے باعث مشرق و مغرب کے درمیان سب روشن ہو گیا۔ پھر آپؐ زمین پر آئے تو دونوں ہاتھوں پر سہارا دیے ہوئے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی سے مٹھی بھری اور آسمان کی طرف دیکھا۔

اسی نور کے بارے میں دوسری حدیث میں یہ ہے کہ اس نور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے شام کے محل دیکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیا علیہ السلام کی

مائیں ایسا ہی نور دیکھا کرتی ہیں۔

دوسری روایت: عثمان بن ابی العاص اپنی والدہ فاطمہ بنت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والادتِ شریفہ کا وقت آیا تو اس وقت میں نے خانہ کعبہ کو دیکھا کہ نور سے بھر چکا ہے اور ستاروں کو دیکھا کہ زمین سے اس قدر نزدیک آگئے ہیں کہ مجھے گمان ہوا کہ مجھ پر نہ گر پڑیں۔

تیسری روایت: حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ اپنی والدہ شفا سے نقل کرتیہیں، وہ کہتی ہیں کہ جب حضرت آمنہ سے آپ پیدا ہوئے تو میرے ہاتھوں میں آئے اور نومولود بچوں کے موافق جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نکلی تو میں نے ایک کہنے والے کو سنا، کہتا ہے رحمک اللہ (یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ پر اللہ کی رحمت ہو)۔ شفا کہتی ہیں کہ تمام مشرق و مغرب کے درمیان روشنی ہوگئی، یہاں تک کہ میں نے روم کے بعض محل دیکھے۔ پھر، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ دیا اور لٹا دیا۔ تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ مجھ پر ایک رعب سا طاری ہوگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری نظروں سے غائب ہوگئے۔ پھر میں نے ایک آواز سنی، کہتا ہے کہ انھیں کہاں لے کر گئے تھے؟ جواب دینے والے نے کہا کہ مشرق کی طرف۔ وہ کہتی ہیں کہ اس واقعے کی عظمت خاصا عرصہ میرے دل میں رہی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ پھر میں ابتدائی اسلام لانے والوں میں ہوئی۔

چوتھی روایت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت کسرا کے محل میں زلزلہ آگیا اور اس کے محل کیے چودہ کنگرے گر گئے۔ بحیرۂ طبریہ اچانک خشک ہوگیا۔ ایرانی آتش کدہ بجھ گیا جو ایک ہزار برس سے مسلسل روشن تھا۔

پانچویں روایت: فتح الباری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع ولادت میں گفتگو فرمائی۔

چھٹی روایت: حضرت حسان بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ میں آٹھ سال کا تھا اور دیکھی سنی بات سمجھتا تھا۔ ایک دن ایک یہودی نے صبح کے وقت یکا یک چلانا شروع کر دیا۔ میں سن رہا تھا۔ اسے یوں چلاتا دیکھ کر لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تجھے کیا ہوا؟ اس یہودی نے کہا، ''احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وہ ستارہ آج رات طلوع ہو گیا جس کی ساعت میں وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہونے والے تھے۔''

ساتویں روایت: حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی مکہ میں آ رہا تھا۔ جس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو اس نے قریش سے کہا کہ کیا تم میں آج رات کوئی بچہ ہوا ہے؟ قریش نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ یہودی کہنے لگا، دیکھو۔۔۔ کیوں کہ آج کی رات اس امت کا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوا ہے۔ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک نشانی ہے۔ (اس کا اشارہ مہر نبوت کی طرف تھا۔) لہٰذا، قریش نے تحقیق کی اور پتا چلا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ وہ یہودی یہ جان کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے پاس آیا تو انھوں نے اپنے نومولود (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس یہودی کے سامنے کر دیا۔ جب اس یہودی نے وہ نشانی (مہر نبوت) دیکھی تو بے ہوش ہو کر گر پڑا اور کہنے لگا، ''بنی اسرائیل سے نبوت رخصت ہوئی۔ اے قریش والو، سن لو کہ واللہ یہ تم پر ایسا غلبہ حاصل کریں گے کہ مشرق و مغرب میں اس کی خبر پہنچے گی۔''

ولادت مبارک کا دن، مہینہ، سال، وقت، مکان

اس بات پر سب محققین کا اتفاق ہے کہ دن پیر (Monday) کا تھا۔ البتہ تاریخ میں اختلاف ہے کہ یہ آٹھ تاریخ تھی یا نوتھی یا بارہ تاریخ تھی۔ اسی طرح، ولادت مبارک کے وقت میں اختلاف ہے۔ بعض نے رات کہا ہے تو بعض نے طلوعِ فجر۔ مکان کے بارے میں بعض کا اصرار ہے کہ یہ مکہ ہے، جبکہ بعض مورخین کے نزدیک مقام پیدائش روم کے

قریب یا عسفان میں ہے۔

بچپن کے بعض واقعات

پہلی روایت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گہوارا (جھولا) ہلا کرتا تھا جسے فرشتے ہلاتے تھے۔

دوسری روایت: حضرت حلیمہ کہتی ہیں کہ جب انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑایا تو دودھ چھڑانے کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلام فرمایا، وہ یہ تھا: اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیراً وسبحان اللہ بکرۃ واصیلاً۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذرا بڑے ہوئے تو گھر سے باہر تشریف لے جاتے اور لڑکوں کو کھیلتا دیکھتے، مگر اُن سے الگ رہتے (یعنی کھیل میں شریک نہ ہوتے)۔

تیسری روایت: حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں دور نہ جانے دیتیں۔ ایک مرتبہ انھیں پتا نہیں چلا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رضاعی بہن شیما کے ساتھ دوپہر کے وقت خاموشی سے نکل گئے۔ حضرت حلیمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلیں اور جلد ہی انھیں ڈھونڈ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بہن کے ساتھ ہیں۔ حضرت حلیمہ نے حضرت شیما سے کہا کہ اس گرمی میں اپنے بھائی کو یہاں لے آئی ہو؟ بہن نے جواب دیا، میرے بھائی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرمی لگی ہی نہیں، میں نے ایک بادل کا ٹکڑا دیکھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جاتے، یہ بادل کا ٹکڑا وہاں جاتا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رک جاتے تو بادل کا ٹکڑا بھی ٹھہر جاتا۔ اور اس طرح ہم یہاں تک پہنچے ہیں۔

چوتھی روایت: حضرت حلیمہؓ سے روایت ہے کہ میں بنی سعد (حضرت حلیمہ کے قبیلے کا نام جو طائف میں ہے) کی عورتوں کے ساتھ دودھ پیتے بچوں کی تلاش میں مکہ کو چلی۔ اس سال سخت قحط تھا۔ اُن کی گود میں اُن کا ایک بچہ تھا، مگر اتنا دودھ نہ تھا کہ اسے کافی ہوتا۔ رات

بھر اس کے چلانے سے نیند نہ آتی اور نہ ہماری اونٹنی کے دودھ ہوتا۔ وہ ایک گدھے پر سوار تھی جو بہت کمزور تھا کہ چل بھی نہ سکتا تھا۔ ہمارے ساتھی بھی اس سے تنگ آ گئے تھے۔ ہم مکہ آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دائی دیکھتی یا سنتی تو کہتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یتیم ہیں۔ لہٰذا، کوئی عورت انھیں قبول نہ کرتی۔ دراصل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غریب ہونے کی وجہ سے تمام دیہاتی عورتوں کو یہ خدشہ تھا کہ ان کے ہاں سے ہمیں کوئی انعام واکرام، رقم وغیرہ تو ملے گی نہیں تو انھیں اپنے ساتھ لے جانے اور ان کی پرورش کرنے کا کیا فائدہ؟

حضرت سعدیہ نے اپنے شوہر سے کہا کہ یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ میں خالی واپس جاؤں، اس لیے میں اس یتیم ہی کو لے آتی ہوں۔ شوہر نے بھی میری بات رکھی اور کہا کہ شاید اللہ تعالیٰ اس میں برکت کر دے۔ چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر لے آئیں۔

حضرت سعدیہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پڑاؤ میں لائیں اور انھیں گود میں لے کر دودھ پلانے لگیں تو انھیں اس قدر دودھ اترا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی پیٹ بھر کر پیا اور پھر سو گئے۔

اُن کے شوہر نے اونٹنی کو جا کر دیکھا تو وہ بھی دودھ سے بھری تھی۔ انھوں نے اونٹنی کا دودھ نکالا اور پھر سب نے خوب سیر ہو کر پیا۔ وہ رات بڑے آرام سے گزری۔ اس رات سے پہلے تو سونے ہی کو نہیں ملتا تھا۔ حضرت سعدیہ کے شوہر نے کہا کہ اے حلیمہ، تو بڑی برکت والے بچے کو لائی ہے۔ انھوں نے کہا، ہاں مجھے بھی یہی امید ہے۔

پھر وہ مکہ سے واپس روانہ ہوئے تو اسی دراز گوش پر سوار تھے۔ اس بار اس جانور کا حال یہ تھا کہ کوئی دوسری سواری اسے نہ پکڑ سکتی تھی۔ اُن کی ساتھی خواتین کہنے لگیں کہ حلیمہ، ذرا آہستہ چلو۔ یہ وہی جانور ہے جس پر تم آئی تھیں۔ انھوں نے کہا، ہاں۔ خواتین کہنے لگیں، بے شک اس میں کوئی بات ہے۔

پھر وہ اپنے گھر پہنچ گئیں۔ اس علاقے میں سخت قحط تھا۔ لیکن، اب بکریاں دودھ سے

بھر گئیں جبکہ دوسروں کے جانوروں میں ایک قطرہ دودھ نہ ملتا۔ اُن کی قوم کے چرواہے کہتے کہ تم بھی وہیں اپنے جانور چراؤ جہاں حلیمہ کے جانور چرتے ہیں۔ تب بھی اُن کے جانور خالی آتے۔ غرض، برکت کے تجربات ہوتے رہے، یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حلیمہ کے ہاں پرورش پاتے دو سال ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشو ونما دیگر بچوں سے کہیں زیادہ تھی، اس لیے اپنی عمر سے بڑے معلوم دیتے تھے۔ لہٰذا، حضرت حلیمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے پاس آئیں، لیکن ان برکات کی وجہ سے اُن کا جی نہ چاہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں سے لے جائیں اور والدہ کو واپس کریں۔ اُن دنوں مکہ میں وبا کے آثار تھے۔ یہ بہانہ اچھا تھا۔ حضرت حلیمہ نے حضرت آمنہ سے عرض کیا کہ یہاں (مکہ میں) چونکہ وبا کے آثار ہیں، اس لیے بہتر ہوگا کہ اس نومولود کو ہمارے ساتھ ہی مزید کچھ عرصہ رہنے دیں۔ والدہ راضی ہو گئیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے دوبارہ لائے ہوئے ابھی چند مہینے ہی ہوئے تھے کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رضاعی بھائی عبداللہ کے ساتھ مویشیوں کے ساتھ باہر نکلے تھے کہ وہ بھائی دوڑتا ہوا گھر آیا اور اپنے ماں باپ سے کہا کہ میرے بھائی کو دو سفید کپڑے والے آدمیوں نے پکڑ کر لٹا لیا اور پیٹ چاک کیا۔ میں انھیں اسی حالت میں چھوڑ کر یہاں آیا ہوں۔ وہ گھبرا گئیں اور اس طرف بھاگیں۔ دیکھا کہ دو سفید کپڑے والے آدمیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں اور خوف سے چہرے کا رنگ بدل رہا ہے۔ حضرت سعدیہ نے پوچھا، بیٹا کیا ہوا؟ تو فرمایا کہ دو لوگ جو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے، آئے اور مجھے لٹایا اور پیٹ چاک کر کے اس میں کچھ ڈھونڈ کر نکالا، مجھے نہیں معلوم وہ کیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس گھر لائے اور شوہر نے کہا کہ حلیمہ اس لڑکے پر آسیب کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کہ اس کا زیادہ اثر ظاہر ہو، ہم اسے اس کی ماں کے پاس پہنچا آتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر حضرت سعدیہ مکہ حضرت آمنہ کے ہاں آئیں۔ حضرت آمنہ نے انھیں دیکھا تو فرمایا کہ تم تو میرے بچے رکھنا چاہتی تھیں، ی اتنی جلد کیوں لے آئیں؟ انھوں نے کہا کہ اب یہ خدا کے فضل سے ہوشیار ہو گئے ہیں او رمیں اپنی سی خدمت کر چکی۔ خدا جانے کیا اتفاق ہو جائے، اس لیے لے آئی ہوں۔

حضرت آمنہ بھانپ گئیں کہ معاملہ کچھ اور ہے، کہا کہ سچ بتاؤ۔ اب حلیمہ سعدیہ نے ساری بات سچ سچ بتا ڈالی۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ نے فرمایا، واللہ، ان پر شیطان کا کچھ اثر نہیں ہوسکتا۔ میرے بیٹے کی ایک خاص شان ہے۔ پھر انھوں نے اپنے حمل اور ولادت کے بعض غیر معمولی واقعات حضرت حلیمہ سے ذکر کیے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ رکھ لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ واقعہ دراصل ''شق صدر'' کا واقعہ تھا۔

پانچویں روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں کہ دو سفید پوشوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ انھیں ان کی امت کے دس آدمیوں کے ساتھ وزن کرو۔ چنانچہ وزن کیا گیا تو میں بھاری نکلا۔ اس کے بعد سو افراد کے ساتھ میرا وزن کیا گیا۔ پھر، ہزار افراد کے ساتھ میرا وزن کیا گیا۔ ہر بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وزن زیادہ نکلا۔ انھوں نے کہا کہ بس کرو، واللہ، اگر انھیں ان کی امت کے تمام انسانوں کے ساتھ بھی وزن کرو گے تو یہ وزنی نکلیں گے۔

شق صدر کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں چار بار ہوا ہے:

اول، جب حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہاں تھے؛ دوم، دس برس کی عمر میں صحرا میں؛ سوم، بعثت نبوی کے وقت، غار حرا میں ماہِ رمضان میں۔ چہارم، شب معراج کے موقع پر۔

شاہ عبدالعزیزؒ اس بارے میں لکھتے ہیں کہ پہلا شق صدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے بچپن کے کھیل کود کی محبت نکالنے کیلئے تھا۔ دوسری بار شق صدر جوانی کے لہو ولعب کی نکاسی کیلئے تھا تاکہ ایسے کاموں کی رغبت جو جوانی کا تقاضا ہوتی ہیں، وہ دل سے ختم ہو جائیں۔ تیسری بار شق صدر اس لیے کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو عالم ملکوت و لاہوت کے مشاہدہ کی قوت حاصل ہو جائے۔

چھٹی روایت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں پستان سے پیا کرتے تھے۔ اپنے رضاعی بھائی یعنی حضرت حلیمہ کے بیٹے کیلئے ہمیشہ دودھ چھوڑ دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں یہ عدل پیدائشی تھا۔

لڑکپن میں کبھی اپنے کپڑوں میں تقاضا پورا نہیں کیا بلکہ وقت مقرر تھے کہ اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا کر لے جایا جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر پیشاب کراتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر کبھی برہنہ نہ ہوتا۔ اگر کبھی ہوا تو فرشتوں نے اسے فوراً ڈھانپ دیا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچپن کا واقعہ ذکر فرمایا:

میں ایک بار بچوں کے ساتھ پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہا تھا۔ سب بچے اپنی لنگی اتار کر گردن پر پتھر کے نیچے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے بھی ایسا ہی کرنا چاہا (بچپن میں انسان اس کا مکلف نہیں ہوتا اور بچوں کیلئے ایسا کرنا تہذیب و اخلاق کے خلاف بھی نہیں سمجھا جاتا) تو یک دَم زور سے ایک دھکا لگا اور یہ آواز آئی کہ اپنی لنگی باندھو۔ میں نے فوراً اپنی لنگی باندھ لی اور پتھر لانا شروع کر دیے۔

ساتویں روایت: میں مکہ معظّمہ پہنچا تو اس وقت وہاں کے لوگ سخت قحط میں مبتلا تھے۔ قریش نے کہا، اے ابوطالب، چلو، پانی کی دعا مانگو۔ ابوطالب چلے تو اُن کے ساتھ ایک لڑکا تھا۔ وہ لڑکا اس قدر حسین تھا گویا بدلی میں سے سورج نکلا ہو۔ (یہ لڑکے جناب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ابوطالب کی پرورش میں تھے۔) ابوطالب نے اُن صاحب زادے کی پیٹھ خانہ کعبہ سے لگائی اور انھوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اس سے پہلے آسمان پر بادل کا نام ونشان نہ تھا، انگلی کا اشارہ کرتے ہی سب طرف سے بادل آنا شروع ہوگئے اور خوب پانی برسا۔

آٹھویں روایت: بارہ برس کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنے ابوطالب کے ساتھ تجارتی سفر میں ملک شام گئے۔ راستے میں انھیں نصاریٰ کا ایک راہب جس کا نام ''بحیرا'' تھا، ملا۔ راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود علاماتِ نبوت سے پہچانا اور اس تجارتی قافلے کی دعوت کی۔ پھر، ابوطالب سے کہا کہ یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) پیغمبر ہیں اور تمام عالموں کے سردار ہیں۔ اہل کتاب اور یہود ونصاریٰ ان کے دشمن ہیں، انھیں شام نہ لے جایئے۔ ایسا نہ ہو کہ اُن کے ہاتھوں آپ کے بھتیجے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو نقصان پہنچے۔

بحیرا راہب کی یہ بات سن کر ابوطالب نے شام جانے کا ارادہ ترک کیا، اپنا سامانِ تجارت وہیں بیچا اور بہت نفع پایا۔ پھر اسی مقام سے واپس مکہ آ گئے۔

نویں روایت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ابوطالب کی کفالت وتربیت میں تھے اور جب سب مل کر کھانا کھاتے تھے تو سب سیر ہو جاتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ میں نہ کھاتے تو سیری نہ ہوتی۔

وہ لوگ جن کی تربیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم رہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ حمل میں ہی تھے کہ والد گرامی حضرت عبداللہ کی وفات ہوگئی۔ حمل کو دو ماہ ہوئے تھے کہ عبداللہ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام کو گئے۔ واپسی پر بیمار ہوئے تو یثرب (مدینہ) میں اپنے ماموں کے ہاں ٹھہر گئے۔ وہیں وفات پائی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھے سال کے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مدینہ گئیں تا کہ رشتے داروں سے مل سکیں۔اس سفر سے واپسی پر مدینہ اور مکہ کے درمیان ایک مقام ''ابوا'' پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ بھی وفات پا گئیں۔اس وقت اُم ایمن ساتھ تھیں۔

والدہ کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا عبدالمطلب کی پرورش میں رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ برس کے ہوئے تو دادا عبدالمطلب کی بھی وفات ہوگئی۔عبدالمطلب نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کریں گے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کی پرورش میں آگئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت عطا فرمائی گئی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم چچا ابوطالب ہی کی کفالت میں تھے۔

شیرخوارگی کے زمانے میں،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سات روز تو اپنی والدہ کا دودھ پیا، پھر ثوبیہ (ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی) نے چند روز دودھ پلایا۔اور پھر جیسا کہ رواج تھا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلیمہ سعدیہ کے ساتھ شہر سے دور بھیج دیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جن خواتین کی گود میں رہے، وہ یہ ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ، ثوبیہ، حضرت حلیمہ، شیما (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن)،ام ایمن حبشیہ (جن کا اصل نام ''برکت'' تھا)۔

شباب سے نبوت تک کے بعض حالات

پہلی روایت: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عمر چودہ پندرہ برس (بعض روایات کے مطابق، بیس برس) ہوئی تو قریش اور قیس عیلان میں ایک لڑائی ہوئی۔اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اپنے چچاؤں کو دشمن

قبیلے کے تیروں سے بچا تا تھا۔

دوسری روایت: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پچیس برس کے ہوئے تو حضرت خدیجہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپؐ اُن کا مالِ تجارت شام لے کر جائیں۔ حضرت خدیجہ ایک مال دار خاتون تھیں اور اپنا مالِ تجارت مختلف تاجروں کو تجارت کی غرض سے دیا کرتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاہدہ قبول فرمایا۔ حضرت خدیجہ نے اپنا غلام جس کا نام میسرہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھیجا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر کے دوران جب شام پہنچے تو وہاں ایک درخت کے نیچے قیام کیا۔ وہاں ایک راہب گزرا جس کا نام ''صومعہ'' یا ''نسطورا'' تھا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں آرام کرتے دیکھا تو غلام میسرہ سے پوچھا، یہ کون ہیں؟ میسرہ نے جواب دیا کہ یہ قبیلہ قریش میں سے ہیں۔ راہب نے بتایا کہ اس درخت کے نیچے آج تک نبی کے سوا کوئی نہیں سویا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر میں بہت نفع کمایا اور پھر مکہ واپس آ گئے۔

میسرہ نے اس سفر کے دوران دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تیز دھوپ میں ہوتے تو دو فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کر لیا کرتے تھے۔

سفر سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کو اُن کا مال حوالے کیا تو نفع دوگنا سے زیادہ تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق و دیانت کی دلیل تھی۔ اُدھر میسرہ نے اپنے سفر کا احوال بھی حضرت خدیجہ کو بتایا کہ راہب نے کیا کہا اور فرشتے کیسے سایہ کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ سن کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو عیسائی مذہب کے بڑے عالم تھے۔ ورقہ بن نوفل نے یہ سن کر کہا کہ اگر یہ بات درست ہے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس امت کے نبیؐ ہیں۔ مجھے آسمانی کتابوں کے معلوم ہے کہ اس امت میں ایک نبی ہونے والا ہے۔

حضرت خدیجہ نے اس تحقیق کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی کا پیغام بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے ذکر کیا۔ پھر رضامندی سے نکاح ہو گیا۔

تیسری روایت: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پینتیس سال کے ہوئے تو قریش نے خانہ کعبہ کی نئی تعمیر کا ارادہ کیا۔ تعمیر مکمل ہوئی اور حجر اسود اس کی جگہ رکھنے کا موقع آیا تو ہر قبیلہ یہی چاہتا تھا کہ اسے یہ سعادت ملے۔ لہٰذا، جھگڑے سے بچنے کیلئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ جو شخص سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہو گا، اسی کے ہاتھوں حجر اسود اس کی حقیقی جگہ رکھوایا جائے گا۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قضیہ کا معلوم نہیں تھا، مگر اللہ کے ارادہ کے تحت اُس صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر باقی تمام لوگ کہنے لگے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، امین ہیں، صادق ہیں۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ معاملہ رکھا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حُسن تدبیر سے یہ معاملہ یوں حل کیا کہ ایک بڑی چادر منگوا کر اس میں حجر اسود رکھا، پھر تمام قبیلوں کے نمائندوں نے اس کپڑے کو پکڑا اور حجر اسود کے مقام تک لے گئے۔ پھر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ رکھ دیا۔

اس فیصلے پر تمام قبیلے راضی ہو گئے اور ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا۔

نزولِ وحی کے بعد کفار کی مخالفت

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس برس کی عمر کو ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا تشریف لے جاتے اور کئی کئی روز تک وہاں رہتے۔ نبوت سے چھ مہینے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے خواب دیکھنے لگے تھے۔ آٹھ ربیع الاول، دوشنبہ کے دن حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سورہ اقرا کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ یوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا کر دی گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہ واقعہ اتنا اچانک تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا گئے اور اپنے گھر آ گئے۔ حضرت خدیجہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی۔

ابتدا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی خفیہ تبلیغ کی، لیکن جب آیت فاصدع بما تومر ... نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلم کھلا اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر چڑھ کر کفارِ مکہ کو آواز دی۔ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ نہیں شروع کی تھی، مکہ والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق اور امین اور دیانت دار گردانتے تھے۔ لیکن، تبلیغ کے آغاز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہو گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکالیف دینا شروع کر دیں۔ تاہم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرتے رہے۔

ایک مرتبہ، کفار نے جمع ہو کر ابو طالب سے کہا کہ یا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالے کر دو، ورنہ تم سے ہم لڑیں گے۔ ابو طالب نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو

کفار نے اس پورے خاندان سے قطع تعلق کرلیا اور ایک معاہدے کے تحت دیگر تمام قبیلوں کو پابند کیا گیا کہ کوئی بھی ابوطالب کے خاندان سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے۔ یہ صورت پیش آئی تو ابوطالب اپنے پورے خاندان کو لے کر مکہ شہر سے کچھ فاصلے پر ایک گھاٹی میں منتقل ہو گئے کہ ناگہاں شہر میں کوئی حملہ نہ کردے۔ یہ گھاٹی، سیرت کی کتابوں میں ''شعب ابی طالب'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔ بنی ہاشم اور بنی مطلب کیلئے یہ تین سال شدید مشکلات کے تھے،۔ کفارِ مکہ نے تاجروں کو بھی سختی سے منع کردیا تھا کہ وہ ابوطالب کے اہل خانہ سے کوئی معاملہ نہ کریں۔ حد یہ تھی کہ درختوں کے پتوں اور گھاس پات سے بھی پیٹ بھرنا پڑا۔

اللہ کی مدد بھی آ پہنچی۔ ہوا یہ کہ کفار نے اس پابندی کی ایک دستاویز لکھ کر خانہ کعبہ پر لٹکادی تھی۔ تین سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ وحی کی گئی کہ اللہ کے حکم سے یہ دستاویز ایک کیڑے نے کھالی ہے؛ سوائے اللہ کے نام کے اس دستاویز میں کچھ نہیں بچا۔ یہ ایک بڑی شہادت تھی کہ اللہ کی مدد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اپنے چچا ابوطالب کو بتائی۔ انھوں نے یہ بات جا کر قریش سے کہی اور یہ اصرار کیا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات غلط نکلے تو ہم انھیں تمھارے حوالے کردیں گے۔ اگر یہ بات درست ہو تو قطع رحمی سے باز آجاؤ۔

قریش نے جب یہ کاغذ دیکھا تو واقعی ایسا تھا۔ چنانچہ قریش اپنے اس ظلم سے باز آگئے۔ یہ عہدنامہ ختم ہو گیا تو ابوطالب اپنے اہل خانہ کو گھاٹی سے نکال کر واپس شہر آگئے۔ یہ عہدنامہ منصور بن عکرمہ بن ہشام نے لکھا تھا۔ اللہ نے اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا کہ اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی سے واپس آئے تو دوبارہ اپنے فریضہ یعنی اسلام کی دعوت میں مشغول ہو گئے۔

اسی سال اگلے آٹھ ماہ بعد ابوطالب کا انتقال ہو گیا اور صرف تین دن بعد حضرت

خدیجہ کی وفات ہوگئی۔

حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نکاح قرار پائے۔ان میں سے ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مکہ میں ہوا اور رخصتی مدینہ میں ہوئی۔ دوسرا نکاح حضرت سودہ بنت زمعہ سے مکہ میں ہوا اور ہجرت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ آئیں۔

بعثت کے دسویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف بنی ثقیف کی طرف گئے تاکہ انھیں اسلام کی دعوت دیں اور اُن سے کچھ مدد بھی ملے۔دراصل، ابوطالب کی وفات کے بعد کوئی ذی وجاہت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت نہ تھا۔لیکن طائف کے سرداروں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے کی بجائے علاقے کے لونڈوں کو پیچھے لگادیا۔ان بدمعاشوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف زدوکوب کیا، بلکہ پتھر بھی مارے جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں تک میں خون بہ کر جم گیا۔لہٰذا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مایوس ہوکر وہاں سے لوٹ آئے۔

راستے میں کچھ دیر آرام کی غرض سے ایک باغ میں ٹھہرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز میں قرآن کریم کی آیات تلاوت فرمارہے تھے کہ وہاں سے نینوا کے سات یا نو جنوں کا گزر ہوا۔جنوں نے قرآن کی آیات سنیں تو ٹھہر گئے۔جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو وہ ظاہر ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسلام کی دعوت دی۔جنوں نے یہ دعوت قبول کرلی۔

جن مسلمان ہوگئے اور اپنے لوگوں میں جاکر انھوں نے مزید جنوں کو اسلام کی دعوت دی۔سورہ احقاف میں ان کے اسلام لانے کا ذکر ہے۔

طائف سے مایوس ہوکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس مکہ آئے اور بدستور اسلام کی دعوت دیتے رہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم عکاظ، مجنہ اور ذی المجاز کے قبائل جاتے اور انھیں

اسلام کی دعوت دیتے۔ مگر کوئی قبیلہ اسلام کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ نبوت کے گیارھویں سال حج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے آنے والوں کو اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے کہ اس دوران یثرب (مدینہ) کے چند افراد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں تو انھیں اندازہ ہوا کہ وہ یثرب کے یہودیوں سے جس نبی کی آمد کا سن چکے ہیں، غالباً وہی یہی ہیں۔ یثرب میں یہودی آباد تھے اور وہ غیر یہودی آبادی کو بتایا کرتے تھے کہ یہاں ایک نبی آنے والے ہیں اور ہم ان کے ساتھ مل کر تمھیں قتل کر دیں گے۔

جب ان لوگوں نے (جو بعد میں ''انصار'' کہلائے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سنی تو آپس میں مشورہ کیا کہ ایسا نہ کہ یہود ہم سے پہلے آکر ان سے مل لیں اور ہم منہ تکتے رہ جائیں۔ چنانچہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور اسلام قبول کیا، اور اقرار کیا کہ اگلے سال ہم آکر آپ سے دوبارہ ملیں گے۔ یہ چھے افراد تھے۔

یثرب (مدینہ) پہنچ کر ان چھے افراد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اور یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک مدینہ کے گھر گھر میں پہنچا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگلے سال مدینہ سے بارہ افراد نے آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور اسلام قبول کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی بیعت کی۔ ''بیعت عقبہ اولیٰ'' ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی درخواست پر حضرت مصعبؓ بن عمیر کو نئے مسلمانوں کی قرآنی و دینی تعلیم کیلئے اُن کے ساتھ یثرب بھیج دیا۔ وہاں جا کر حضرت مصعب نے جب اسلام کی دعوت دینا شروع کی تو بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ چنانچہ اگلے سال (نبوت کا تیرھواں سال) انصار کے ستر شرفا مکہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ساتھ ہی یہ عہد بھی کیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں یثرب بلا لیں گے، اور خدمت میں کوئی کوتاہی نہ کریں گے۔ نیز، جو دشمن یثرب پر چڑھائی کرے گا، ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔ اس عہد کا نام ''بیعت عقبہ ثانیہ'' ہے۔

معراج شریف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے عظیم کمالاتِ نبوت میں سے ایک واقعہ ''معراج'' کا ہے جو نبوت ملنے کے پانچویں سال ہوا۔ اس واقعے کے راوی اتنی تعداد میں صحابہ کرام ہیں کہ تاریخی اور علمی اعتبار سے اس کا انکار ممکن نہیں ہے۔ مرد راویوں میں یہ نام شامل ہیں: حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ ابن مسعود، حضرت عبداللہؓ ابن عباس، حضرت عبداللہؓ ابن عمر، حضرت ابن عمرو، حضرت ابیؓ بن کعب، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ، حضرت جابرؓ، حضرت بریدہؓ، حضرت سمرہؓ بن جندب، حضرت حذیفہؓ بن الیمان، حضرت شدادؓ بن اوس، حضرت صہیبؓ، حضرت مالکؓ بن صعصعہ، حضرت ابی امامہؓ، حضرت ابوایوبؓ، حضرت ابوحبہؓ، حضرت ابوذرؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابوسفیانؓ بن حرب۔ جبکہ خواتین راویوں میں درج ذیل ہیں: حضرت عائشہؓ، حضرت اسماؓ بنت ابی بکر، حضرت ام ہانیؓ، حضرت ام سلمہؓ وغیرہ۔

پہلا واقعہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا (بخاری) اور ایک روایت کے مطابق، آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعب ابی طالب میں تھے (واقدی)، اور ایک روایت کے مطابق، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام ہانی کے گھر تھے (طبری) اور ایک روایت کے مطابق، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہی گھر میں موجود تھے (بخاری) کہ چھت کھولی گئی۔

ان روایات میں یہ ہے کہ ام ہانی کا گھر شعب ابی طالب کے پاس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کے باعث اسے اپنا گھر فرمایا۔ وہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام میں حطیم لے گئے اور ابھی نیند کا اثر باقی تھا، اس لیے وہاں جا کر لیٹ گئے۔

چھت کھولے جانے کی حکمت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدا ہی سے پتا چل

جائے کہ کوئی غیر معمولی معاملہ ہونے والا ہے۔

دوسرا واقعہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کچھ سوتے تھے، کچھ جاگتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں سو رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے، جبکہ ایک روایت کے مطابق، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین اشخاص آئے۔ ایک نے پوچھا، وہ (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا، جو سب سے اچھا ہے۔ تیسرے نے کہا، پھر جو سب سے اچھا ہے، اسی کو لے آؤ۔ اگلی رات وہ تینوں آئے، کچھ بولے نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر چلے گئے۔ (بخاری)

یہ کیفیت سوتے جاگتے کے درمیان کی تھی اور اس واقعے کی ابتدا کی ہے۔

تیسرا واقعہ: پہلے تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ اوپر سے اسفل بطن تک چاک کیا گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب نکالا گیا اور ایک چمکتے ہوئے برتن (زریں طشت) میں موجود آبِ زم زم سے وہ قلب دھویا گیا۔ پھر ایک اور برتن لایا گیا جس میں ایمان اور حکمت تھا۔ وہ قلب مبارک میں بھرا گیا۔ پھر قلب کو اس کے اصل مقام پر رکھ دیا گیا۔

چوتھا واقعہ: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سفید رنگ کا ایک ''دابہ'' حاضر کیا گیا، جو ''براق'' کہلاتا ہے۔ اس کے کان لمبے، قدرے اونچے اور قد میں خچر سے ذرا نیچے تھا۔ یہ اس قدر تیز رفتار تھا کہ انتہائے نظر پر قدم رکھتا تھا۔ اس پر زین لگا ہوا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہونے لگے تو وہ شوخی کرنے لگا۔ حضرت جبریل نے اسے کہا کہ یہ کیا ہو گیا کہ تجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مکرم و محترم کوئی نہیں بیٹھا اور تو یہ حرکت کرتا ہے؟ براق نے یہ سنا تو ٹھہر گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے رکاب پکڑی اور میکائیل علیہ السلام نے لگام تھامی۔ اس سفر میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی

ساتھ تھے۔

براق کی یہ شوخی درحقیقت خوشی کی وجہ سے تھی۔ لہٰذا، جب اسے تنبیہ کی گئی تو وہ ٹھہر گیا۔

پانچواں واقعہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب منزل کی طرف روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسی زمین پر ہوا جہاں بہ کثرت کھجور کے درخت تھے۔ حضرت جبریل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہاں اتر کر نفل نماز ادا کیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ حضرت جبریل نے بتایا کہ آپؐ نے یثرب (مدینہ) میں نماز ادا کی۔ پھر ایک سفید زمین پر گزر ہوا۔ یہاں بھی جبریل علیہ السلام نے نماز پڑھنے کو کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تو حضرت جبریل نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدین میں نماز پڑھی۔

آگے، بیت اللحم سے گزرے۔ وہاں بھی نماز پڑھوائی گئی اور بتایا گیا کہ یہاں حضرت عیسی علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ایک اور روایت مین مدین کی جگہ طورِسینا کا ذکر ہے کہ جہاں حضرت موسی علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔

چھٹا واقعہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برزخ کے حیران کن عجائبات دکھائے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسی مجوزہ پر ہوا جو راستے میں کھڑی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے پوچھا، یہ کون ہے؟ تو جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپؐ آگے چلتے رہیے۔ لہٰذا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے۔ آگے پہنچے تو ایک بوڑھا ملا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا رہا تھا۔ حضرت جبریل نے کہا کہ اور آگے چلئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے۔

پھر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک جماعت پر ہوا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا: السلام علیک یا اول؛ السلام علیک یا آخر؛ السلام علیک یا عاشر۔ حضرت جبریل نے کہا کہ ان کے سوال کا جواب دیجیے۔

اس حدیث کے آخر میں بیان ہے، حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بڑھیا دیکھی تھی، وہ دنیا تھی۔ دنیا کی عمر اتنی ہی رہ گئی ہے جتنی بڑھیا کی عمر رہ جاتی ہے۔ جس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا تھا، وہ ابلیس تھا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا اور ابلیس کے پکارنے پر جواب دیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی۔ اور جن حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تھا، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو ایک ہی دن میں بو بھی لیتے ہیں، ایک ہی دن میں کاٹ بھی لیتے ہیں۔ اور جب کاٹتے ہیں تو فصل پھر ویسی ہی ہوجاتی ہے جیسی کہ کاٹنے سے پہلے تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا، یہ کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں کہ اُن کی نیکی سات سو گنا تک بڑھادی جاتی ہے۔ یہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے، اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا کہ جن کے سر پتھر سے توڑے جاتے ہیں۔ جب وہ ٹوٹ جاتے ہیں تو دوبارہ درست ہوجاتے ہیں، اور پھر پھوڑے جاتے ہیں۔ جب ان کے سر ٹوٹ جاتے ہیں تو دوبارہ درست ہوجاتے ہیں۔ یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے پوچھا، یہ کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ لوگ وہ ہیں جو نماز نہیں پڑھتے تھے۔

پھر ایک اور قوم پر سے گزرے۔ ان کی شرم گاہوں پر چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے۔ وہ جانوروں کی طرح چر رہے تھے، اور وہ زقوم اور پتھر کھا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا تو حضرت جبریل نے بتایا کہ یہ لوگ اپنے مال کی زکات ادا نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا، آپ ﷺ کا رب اپنے بندوں پر ظلم

نہیں کرتا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے سامنے ایک ہنڈیا (دیگچی) میں پکا ہوا گوشت رکھا تھا اور دوسری ہنڈیا میں سڑا ہوا گوشت تھا۔ وہ لوگ پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے تھے، سڑا ہوا گوشت کھا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے وہ مرد ہیں جن کے پاس حلال بیویاں تھیں، مگر وہ ناپاک عورت کے پاس جاتے تھے۔ اسی طرح، یہاں وہ عورتیں ہیں جن کے پاس حلال طیب شوہر تھے، لیکن وہ شوہر کے پاس سے اٹھ کر ناپاک مردوں کے پاس جاتی تھیں۔

اس کے بعد ایک ایسے مرد کے پاس سے گزرے جس کے پاس لکڑیوں کا ایک بڑا گٹھر ہے اور وہ اسے اٹھا نہیں پا رہا۔ اس کے باوجود وہ اس گٹھڑ میں اور لکڑیاں لا لا کر رکھ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ حضرت جبریل نے جواب دیا، یہ آپؐ کی امت کا وہ فرد ہے جس کے ذمے لوگوں کے بہت سے حقوق اور امانت ہیں اور وہ ان حقوق کو ادا کرنے پر قادر نہیں، پھر بھی مزید ذمے داریاں لادتا چلا جا رہا ہے۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ جب وہ کٹ چکتے تو پھر سے پرانی حالت میں آجاتے۔ یہ سلسلہ بند نہیں ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ گمراہی میں ڈالنے والے واعظ ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا پتھر دیکھا جس میں سے ایک بڑا بیل پیدا ہوتا ہے، پھر وہ بیل اس پتھر میں دوبارہ جانا چاہتا ہے، لیکن جا نہیں پاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیل کے بارے میں پوچھا تو حضرت جبریل نے بتایا، یہ اُس شخص کا حال ہے جو بڑی بات منہ سے نکالے، پھر نادم ہو، مگر اس بات کو واپس لینے پر قادر نہ ہو۔

پھر ایک وادی میں سے گزرے جہاں پاکیزہ خنک ہوا اور مشک کی خوش بو آئی۔ ایک آواز سنی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے تو حضرت جبریل نے بتایا کہ یہ جنت کی آواز ہے جو کہتی ہے کہ اے رب، جو مجھ سے وعدہ کیا ہے مجھے دیجیے، کیوں کہ میرے بالا خانے، استبرق، خریر، سندس، عبقری، موتی، مونگے، چاندی، سونا، گلاس، تشریاں، دستہ دار کوزے، مرکب، شہد، شراب، پانی، دودھ وغیرہ بہت کثرت کو پہنچ چکے ہیں۔ اب میرے وعدے کی چیز مجھے دے دیجیے (تاکہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں)۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ تیرے لیے تجویز کیا گیا ہے، ہر مسلم اور ہر مسلمہ اور مومن اور مومنہ جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لائے، میرے ساتھ شریک نہ کرے، اور جو مجھ سے ڈرے گا وہ امن سے رہے گا، اور جو مجھ سے مانگے گا، میں اس کو دوں گا، اور جو مجھ پر توکل کرے گا، میں اس کی کفایت کروں گا۔۔۔ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ بے شک مومنوں کو فلاح حاصل ہوئی او اللہ تعالیٰ جو احسن الخالقین ہے، بابرکت ہے۔ یہ سن کر جنت نے کہا کہ میں راضی ہوگئی۔

اس کے بعد ایک اور وادی میں گئے جہاں وحشت ناک آواز سنی اور بدبو محسوس ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، ''یہ کیا ہے؟'' حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ جہنم کی آواز ہے، کہتی ہے کہ اے رب، مجھ سے جو وعدہ کیا ہے (یعنی جہنم کو گناہ گاروں سے بھرنے کا) مجھے وہ عطا کیجیے، کیوں کہ میری زنجیریں، طوق، شعلے، گرم پانی، پیپ اور عذاب بہت کثرت کو پہنچ گئے ہیں۔ میری آگ اور گرمی بہت تیز ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ مشرک اور مشرکہ اور کافر اور کافرہ ہر متکبر جو یوم حساب (آخرت) پر یقین نہیں رکھتا، تیرے لیے تجویز کیا گیا ہے۔ دوزخ نے کہا کہ میں راضی ہوگئی۔

ابوسعید کی روایت میں بیہقی سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دائیں طرف سے ایک پکارنے والے نے پکارا کہ میری طرف نظر کیجیے، میں آپؐ سے کچھ

پوچھنا چاہتا ہوں میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ پھر ایک اور نے مجھے بائیں طرف سے پکارا تو میں نے اسے بھی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد میری نظر ایک عورت پر پڑی جو اپنے ہاتھ کھولے ہوئے ہے، اس پر خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہر قسم کی آرائش ہے۔ اس عورت نے بھی کہا، اے محمدؐ، میری طرف نظر کیجیے، میں آپؐ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔ میں نے اس کی طرف بھی توجہ نہیں دی۔

اسی حدیث میں ہے کہ اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلا پکارنے والا یہود کا داعی تھا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب دیتے تو آپؐ کی امت یہودی ہو جاتی۔ دوسرا پکارنے والا نصرانیت کا داعی تھا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے جواب دیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نصرانی ہو جاتی۔ وہ عورت دنیا تھی۔ (اگر اس عورت کے پکارنے پر جواب دیتے تو امت محمدیہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی۔)

اسی حدیث بالا میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمانِ دنیا پر تشریف لے گئے تو وہاں حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا۔

ایک جگہ بہت سے خوان رکھے دیکھے جن پر پاکیزہ گوشت رکھا ہے، مگر اس پر کوئی شخص نہیں ہے، جبکہ دوسرے خوانوں پر سڑا ہوا گوشت رکھا ہے اور اس پر بہت سے لوگ بیٹھے کھا رہے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کھاتے ہیں۔

پھر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے پیٹ کوٹھڑیوں جیسے ہیں۔ جب ان میں سے کوئی اٹھتا ہے تو فوراً گر پڑتا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ سود کھانے والے ہیں۔

اس کے بعد ایسی قوم پر گزرے جن کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں جیسے ہیں۔ اُن کے

اسفل سے چنگاریاں نکل رہی ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے تھے۔

پھر ایسی عورتوں کو دیکھا کہ جو پستانوں سے بندھی ہوئی لٹک رہی تھیں۔ یہ زنا کرنے والیاں تھیں۔

پھر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے پہلو کا گوشت کاٹا جاتا تھا اور انھی کو کھلایا جاتا تھا۔ یہ لوگ چغل خور تھے۔

یہ تمام حالات عالم برزخ میں واقع ہوئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو بعض ایسے انبیا پر گزر ہوا جن کے ساتھ بڑا مجمع تھا اور بعض انبیا ایسے تھے جن کے ساتھ چھوٹا سا مجمع تھا۔ بعض انبیا کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک جگہ سے ہوا تو بہت بڑا مجمع دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم ہے۔ پھر، کہا گیا کہ اپنا سر اوپر اٹھایئے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اوپر اٹھا کر دیکھا تو اوپر دور تک اتنا عظیم مجمع ہے کہ جس نے آسمان کو گھیر رکھا ہے۔ اس مجمع کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔ اس امت میں سے ستر ہزار ایسے ہیں جو جنت میں بے حساب داخل ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو درغ نہٰیں لگاتے، جھاڑ پھونک نہیں کرتے، شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

ساتواں واقعہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچے تو میں نے براق کو اس حلقے سے باندھ دیا جس سے انبیا علیہ السلام اپنے مراکب باندھتے تھے۔

آٹھواں واقعہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس میں مقام ''بابِ محمد'' پر

پہنچے تو وہاں اپنا جانور براق باندھ کر دونوں حضرات فنا مسجد آئے اور حضرت جبریل نے عرض کیا کہ اے محمدؐ، میں نے اللہ سے درخواست کی تھی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حورِ عین دکھلا دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرار کیا تو جبریل نے کہا کہ آپؐ ان عورتوں کے پاس جایئے اور انھیں سلام کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے جواب دیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تم کس لیے ہو؟ تو حورِعین نے بتایا کہ ہم نیک ہیں، حسین ہیں ایسے مردوں کی بیویاں ہیں جو پاک ہیں، صاف ہیں اور میلے نہ ہوں گے اور ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ کبھی جنت سے جدا نہ ہوں گے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے، کبھی نہ مریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بہت سے آدمی جمع ہو گئے۔ پھر ایک موذن نے اذان کہی اور تکبیر کہی گئی۔ سب لوگ امام کے منتظر تھے کہ کون ہے۔ اسی ثنا میں جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے کھڑا کر دیا۔ میں نے سب کو نماز پڑھائی۔ جب میں فارغ ہوا تو حضرت جبریل نے پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم ہے، کن لوگوں نے آپؐ کے پیچھے نماز پڑھی۔ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ جبریل نے بتایا کہ آپؐ کے پیچھے تمام انبیا نے نماز پڑھی ہے۔

ایک اور حدیث میں حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں اور جبریل علیہ السلام بیت المقدس کی مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں انبیا ہیں جن میں سے کوئی سجدے میں ہے تو کوئی رکوع میں ہیں اور کوئی کھڑے ہیں۔ پھر اذان دینے والے نے اذان دی تو ہم سب صفوں میں کھڑے ہو گئے اور انتظار کرنے لگے کہ کون امامت کرتا ہے۔ اتنے میں حضرت جبریل نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے امامت کیلئے آگے بڑھا دیا۔ میں نے سب کی امامت کرائی۔

نماز کے بعد دودھ اور شہد سے بھرے ہوئے دو برتن پیش کیے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے دودھ پیا تو حضرت جبریل نے کہا کہ آپؐ نے فطرت (دین کا طریقہ) اختیار کیا۔

اس کے بعد آسمانوں کی طرف اوپر بڑھے تو وہاں فرشتوں نے حضرت جبریل سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ حضرت جبریل نے جواب دیا کہ یہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم النبیین ہیں۔ فرشتوں نے پوچھا، کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا (کہ آپؐ کو آسمانوں پر بلایا گیا ہے)؟ جبریل علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا۔ فرشتوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان پر تحیت نازل فرمائے کہ یہ بہت پیارے بھائی اور اچھے خلیفہ ہیں۔

پھر انبیا کی روحوں سے ملاقات ہوئی۔ وہاں سب نے اپنے رب کی حمد وثنا کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تقریر کی: ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں جس نے مجھے خلیل بنایا اور مجھے ملک عظیم عطا فرمایا، اور مجھے مقتدا صاحب قنوت بنا کر میرا اقتدا کیا جاتا ہے۔ اور مجھے آتش نمرود سے نجات دی۔ اور اس آگ کو میرے لیے ٹھنڈا اور سلامتی کا ذریعہ بنایا۔''

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے یوں تقریر کی، ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے مجھ سے کلام (خاص) فرمایا، اور مجھے برگزیدہ فرمایا۔ مجھ پر توریت نازل فرمائی۔ اور میرے ذریعے فرعون کو ہلاک اور بنی اسرائیل کو نجات دی۔ اور میری امت کو ایسی قوم بنایا کہ وہ حق کے مطابق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے مطابق عدل کرتے ہیں۔

پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی ثنا کر کے یہ کہا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں جس نے مجھے عظیم مملکت عطا فرمائی اور مجھے زبور کا علم دیا اور میرے لیے لوہے کو نرم کیا اور میرے لیے پہاڑوں کو مسخر کیا کہ وہ میرے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور پرندوں کو بھی تسبیح کیلئے مسخر فرمایا۔ اور مجھے حکمت اور صاف تقریر عنایت فرمائی۔

پھر، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی ثنا کے بعد یہ تقریر کی، تما تعریفیں اللہ

تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں جس نے میرے لیے ہوا کو مسخر فرمایا اور شیاطین کو بھی مسخر کیا کہ جو چیز میں چاہتا تھا وہ بناتے تھے جیسے عالی شان عمارتیں اور تصاویر وغیرہ، اور مجھے پرندوں کی بولی کا علم دیا اور اپنے فضل سے مجھے ہر قسم کی چیز دی اور میرے لیے شیاطین اور انسان اور جن او پرندوں کے لشکروں کو مسخر کیا، اور مجھے ایسی سلطنت بخشی کہ میرے بعد کسی اور کو نہ ملے گی، اور میرے لیے ایسی پاکیزہ سلطنت تجویز کی کہ اس کے بارے میں مجھ سے کوئی سوال حساب نہ ہوگا۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب پر ثنا کر کے یہ تقریر کی کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا اور مجھے آدم (علیہ السلام) کے مشابہ بنایا کہ انھیں مٹی سے بنا کر کہہ دیا کہ تو (ذی روح) ہوجا اور وہ ہوگیا، اور مجھے لکھنا اور حکمت وتورات وانجیل کا علم دیا اور مجھے ایسا بنایا کہ میں مٹی سے پرندہ کی شکل کا قالب بنا کر اس میں پھونک مار دیتا تھا تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا۔ اور مجھے (میرے اللہ نے) ایسا بنایا کہ میں بہ حکم خدا مادرزاد اندھے اور جذامی کو اچھا کر دیتا تھا اور مُردوں کو زندہ کر دیتا تھا۔ اور مجھے پاک کیا، اور مجھے اور میری والدہ کو شیطان مردود سے پناہ دی۔ ہمارا تو شیطان پر کوئی قابو نہیں تھا۔

اس کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی ثنا کی اور فرمایا کہ تم سب نے اپنے رب کی ثنا کی اور اب میں بھی اپنے رب کی ثنا کرتا ہوں۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے مجھے رحمۃ للعالمین اور تمام انسانوں کیلئے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا اور مجھ پر فرقان (قرآن) نازل کیا جس میں ہر معاملے کا بیان ہے۔ اور میری امت کو بہترین امت بنایا کہ لوگوں کے نفع (دین) کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ اور میری امت کو امت عادلہ بنایا۔ اور میری امت کو ایسا بنایا کہ وہ (رتبہ کے اعتبار سے) اول بھی ہیں اور (زمانہ کے اعتبار سے) آخر بھی ہیں۔ اور میرے سینے کو وسیع کیا اور میرا بوجھ مجھ سے ہلکا کیا۔ اور میرا ذکر بلند کیا۔ اور

مجھے سب کا شروع کرنے والا اور سب کا ختم کرنے والا بنایا (یعنی نور میں اول اور ظہور میں آخر)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے ارشاد فرمایا کہ ان کمالات کے باعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سب سے بلند ہوئے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں سے اوپر جانے کا ذکر کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین پیغمبروں کا خلیہ خاص کر بیان فرمایا، یعنی حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ یہ دوزخ کے داروغہ ''مالک'' ہیں، انھیں سلام کیجیے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی طرف سلام کرنے کو بڑھے تو انھوں نے پہلے سلام کیا۔

اسی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال اور آگ کے خازن کو بھی دیکھا۔

اسرا و معراج کے واقعات چونکہ مختلف احادیث میں موجود ہیں، اس لیے علمائے حدیث نے انھیں ترتیب وار بھی بیان کیا ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی معروف کتاب ''نشر الطیب'' میں رقم طراز ہیں کہ ممکن ہے، یہ واقعات درج ذیل ترتیب ہوں:

(۱) براق سے اترنے کے بعد فنا مسجد پہنچ کر حوروں نسے ملنا؛ (۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل کا دو رکعت پڑھنا (غالباً یہ تحیۃ المسجد ہے جبکہ دیگر انبیا اس سے پہلے موجود تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں مختلف رکوع و سجود میں دیکھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کی تو یہ تمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں شامل ہو گئے ہوں۔ (۳) پھر انبیا علیہم السلام کا جمع ہونا؛ (۴) پھر اذان و تکبیر ہونا اور جماعت کرایا جانا جس کے امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے، جبکہ تمام انبیا اور بعض فرشتے مقتدی ہوئے۔ (۵) پھر فرشتوں سے تعارف ہوا؛ (۶) پھر انبیا علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ (۷) پھر سب

انبیا نے خطبہ پڑھا؛ (۸) اس کے بعد شہد اور دودھ وغیرہ کے پیالے پیش کیے گئے؛ (۹) پھر آسمان کا سفر ہوا۔

دسواں واقعہ: اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں کی طرف گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قلب دھونے اور اس میں ایمان وحکمت بھرنے کے بعد مجھے براق پر سوار کیا گیا جس کا ایک ایک قدم انتہائے نظر پر پڑتا تھا۔ میرے ساتھ جبریل تھے، یہاں تک کہ ہم آسمانِ دنیا تک پہنچے۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیت المقدس سے فراغت کے بعد میرے سامنے ایک زینہ (سیڑھی) لایا گیا جو نہایت حسین تھا۔ تم نے بعض میت کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آسمان کی طرف گھورتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ وہ اس زینہ کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ یہ زینہ جنت الفردوس سے لایا گیا تھا۔ اس کے دائیں اور بائیں فرشتے موجود تھے۔ اس زینہ پر پہلے حضرت جبریل علیہ السلام چڑھے اور پھر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

گیارھواں واقعہ: حضرت جبریل علیہ السلام (زینہ چڑھنے کے بعد) آسمان تک پہنچے اور آسمان کا دروزاہ کھلوایا۔ ملائکہ بوابین نے پوچھا، آپ کون ہیں تو حضرت جبریل نے جواب دیا کہ میں جبریل۔ اس کے بعد انھوں نے پوچھا، آپ کے ساتھ کون ہے؟ انھوں نے بتایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پھر پوچھا گیا، کیا ان کے پاس اللہ تعالیٰ پیام پہنچا (کہ نبوت کے واسطے آسمانوں پر بلانے کیلئے)؟ جبریل علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا، مرحبا، آپؐ خوب آئے۔ پھر انھوں نے دروازہ کھول دیا۔ وہاں حضرت آدم علیہ السلام موجود تھے۔ حضرت جبریل نے بتایا کہ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے باپ آدم ہیں، انھیں سلام کیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سلام کیا۔ حضرت آدم نے سلام کا جواب دیا۔

ایک روایت کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانِ دنیا میں ایک شخص کو بیٹھے دیکھا جس کے دائیں طرف اور بائیں طرف کچھ صورتیں ہیں۔ وہ صاحب جب دائیں طرف دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام نے ان صاحب کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کے دائیں اور بائیں جانب ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ دائیں طرف کی روحیں جنتی ہیں اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں۔ اس لیے دائیں طرف دیکھ کر ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔

بارھواں واقعہ: اس کے بعد حضرت جبریل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر چڑھے اور دوسرے آسمان پر پہنچے۔ وہاں دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو پوھا گیا، کون؟ بتایا گیا، جبریل۔ پھر پوچھا گیا، آپ کے ساتھ کون ہیں؟ بتایا گیا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پھر پوچھا گیا، کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ ہاں، بھیجا گیا۔ فرشتوں نے ی سن کر کہا، مرحبا، آپ بہت خوب آئے۔ اور دروازہ کھول دیا گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو حضرت یحیٰی اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام وہا موجود تھے۔ یہ دون باہم خلیر ے ہیں۔ حضرت جبریل نے انھیں سلام کرنے کو کہا۔ ان دونوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا تو اُن دونوں نے سلام کا جواب دیا۔

تیرھواں واقعہ: پھر، حضرت جبریل علیہ السلام تیسرے آسمان کی طرف بڑھے اور حسب سابقہ دروازہ کھلوایا تو گزشتہ سوال جواب ہوا۔ پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام کو موجود پایا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا، یہ یوسف ہیں انھیں سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور کہا، مرحبا برادر صالح اور بنی صالح۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یوسف علیہ السلام کو حُسن کا ایک بڑا حصہ عطا فرمایا گیا ہے۔ نیز، حضرت یوسف حُسن میں ایسی

فضیلت رکھتے ہیں جیسے چودھویں کے چاند کو دوسری راتوں کے چاند پر فوقیت ہے۔

چودھواں واقعہ: اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل کے ہم راہ چوتھے آسمان پر پہنچے۔ حسب معمول دروازہ کھلوایا گیا تو پوچھا گیا، کون ہے؟ بتایا گیا، میں جبریل ہوں۔ پھر پوچھا گیا، آپ کے ساتھ کون ہیں؟ بتایا گیا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا، کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ جبریل علیہ السلام نے کہا، ہاں۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا، مرحبا، آپؑ بہت ہی خوب آئے۔ اور دروازہ کھول دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو حضرت ادریس علیہ السلام وہاں موجود تھے۔ حضرت جبریل نے تعارف کرایا اور کہا کہ انھیں سلام کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا، انھوں نے جواب دیا اور کہا، مرحبا برادر صالح اور نبی صالح۔

پندرھواں واقعہ: اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے لے کر بڑھے اور پانچویں آسمان پر پہنچے۔ حسب سابق دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو پوچھا گیا، کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے جواب میں اپنا نام بتایا۔ پوچھا گیا، آپ کے ساتھ کون ہیں؟ بتایا گیا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا، کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ جواب اثبات میں ملا۔ وہاں سے کہا گیا، مرحبا، آپؑ بہت خوب آئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت جبریل نے انھیں سلام کرنے کو کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا اور حضرت ہارون نے جواب دیا۔ پھر کہا، مرحبا برادر صالح اور بنی صالح۔

سولھواں واقعہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید اوپر لے جایا گیا تو چھٹے آسمان پر پہنچے۔ حسب معمول پوچھا گیا، کون؟ تو حضرت جبریل نے جواباً اپنا بتایا۔ پھر پوچھا گیا، آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب میں کہا گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا، کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا؟ اثبات میں جواب دیا گیا۔ وہاں سے کہا گیا، مرحبا، آپؑ

بہت خوب آئے۔

جب آگے بڑھے تو دیکھا کہ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام موجود ہیں۔ حضرت جبریل نے بتایا کہ یہ حضرت موسیٰ ہیں، انھیں سلام کیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا تو حضرت موسیٰ نے جواب دیا۔ پھر کہا، مرحبا برادر صالح اور نبی صالح۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رو دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے رونے کا سبب معلوم کیا تو انھوں نے فرمایا، اس لیے روتا ہوں کہ ایک نوجوان پیغمبر میرے بعد مبعوث ہوئے جن کی امت میری امت سے بہت زیادہ جنت میں جائے گی (لہٰذا، مجھے اس بات پر افسوس ہے کہ میری امت نے میرا کہا ایسا نہیں مانا کہ جیسا اس پیغمبر یعنی محمدؐ کی امت نے محمد کی پیروی کی)۔

سترھواں واقعہ: بخاریؒ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کے بعد مجھے جبریل آگے لے کر ساتویں آسمان کی طرف چڑھے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا، کون ہے؟ جواب میں کہا گیا، جبریل ہوں؟ پوچھا گیا، اور آپ کے ساتھ کون ہیں؟ بتایا گیا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا، کیا ان کے پاس پیام الٰہی بھیجا گیا۔ اثبات میں جواب دیا گیا۔ کہا گیا، مرحبا، آپؐ بہت خوب آئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ابراہیم ہیں، انھیں سلام کیجیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا، انھوں نے جواب دیا اور کہا، مرحبا فرزند صالح اور نبی صالح۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ (بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں کہ جن کی باری دوبارہ نہیں آتی، یعنی اگلے روز نئے ستر ہزار فرشتے بیت المعمور میں داخل ہوتے ہیں۔) جب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتویں آسمان پر چڑھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کو دیکھا کہ بہت حسین ہیں۔ اُن کے ساتھ اُن کی قوم کے کچھ لوگ ہیں، ساتھ ہی میری امت بھی موجود ہے۔ یہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک قسم کے لوگ سفید چٹے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور دوسرے لوگ میلے کپڑے پہنے ہیں۔ میں بیت المعمور میں داخل ہوا تو سفید کپڑوں والے بھی میرے ساتھ داخل ہوئے، لیکن میلے کپڑے والے روک دیے گئے۔ پھر میں نے اُن کے ساتھ وہاں نماز پڑھی۔

اٹھارواں واقعہ: اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیا گیا۔ وہاں کے بیر بہت بڑے تھے، جبکہ پتے ایسے تھے جیسے ہاتھی کے کان۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ وہاں چار نہریں دیکھیں جن میں سے دو اندر آ رہی تھیں اور دو باہر جا رہی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نہروں کے بارے میں حضرت جبریل سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ جو نہریں اندر کو جاتی ہیں، جنت میں دو نہریں ہیں۔ اور جو نہریں باہر کو آ رہی ہیں، وہ نیل اور فرات ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین برتن لائے گئے جن میں سے ایک شراب کا، ایک دودھ کا، ایک شہد کا تھا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا پیالہ اٹھالیا۔ جبریل علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہا کہ یہی دین فطرت ہے، جس پر آپؐ اور آپؐ کی امت قائم رہے گی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے دیکھنے کے بعد مجھے ساتویں آسمان کی بالائی سطح پر لے گئے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نہر پر پہنچے جس پر یاقوت، موتی اور زبرجد کے پیالے رکھے تھے، نیز سبز لطیف پرندے بھی تھے۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ ''نہر کوثر'' ہے جو آپؐ کے رب نے آپ کو دی ہے۔ اس نہر کے اندر سونے اور چاندی کے برتن پڑے ہیں۔ یہ یاقوت اور زمرد کے سنگ ریزوں پر چلتی ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس میں سے کچھ پیا تو وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوش بودار تھا۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا جو چھٹے آسمان میں ہے۔ زمین سے جو اعمال اوپر جاتے ہیں، وہ یہاں تک پہنچتے ہیں اور یہاں سے اوپر اٹھا لیے جاتے ہیں۔ جو احکام اوپر سے آتے ہیں، وہ پہلے اسی مقام پر آتے ہیں، اس لیے اس کا نام ''سدرۃ المنتہیٰ'' ہے۔

انیسواں واقعہ: اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔

بیسواں واقعہ: حضرت جبریل علیہ السلام جب حجاب تک پہنچے تو وہاں سے ایک فرشتہ نکلا۔ حضرت جبریل نے کہا کہ قسم اس ذات کی جس نے آپؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دین حق دے کر مبعوث فرمایا کہ جب سے میں پیدا ہوا ہوں، مں نے اس فرشتہ کو نہیں دیکھا، حالانکہ میں رتبہ کے اعتبار سے مخلوقات میں بہت ہی مقرب ہوں۔

اس مقام پر حضرت جبریل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام آوازیں منقطع ہوگئیں۔ (گویا، یہ انتہائی خاص مقام تھا۔) سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ایسے مقام پر کوئی دوست کو چھوڑتا ہے؟ تو حضرت جبریل نے عرض کیا، اگر میں اس مقام سے آگے بڑھا تو نور سے جل جاؤں گا۔

اس کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نور میں پیوست کیا گیا اور ستر ہزار حجاب طے کرائے گئے۔ کوئی حجاب دوسرے حجاب سے ملتا جلتا نہ تھا۔ اس دوران تمام انسانوں اور فرشتوں کی آہٹ منقطع ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تنہائی سے وحشت ہونے لگی۔ اسی وقت حضرت ابوبکرؓ سے مشابہ آواز سنائی دی کہ ٹھہریے، آپؐ کا رب صلوٰۃ میں مصروف ہے۔ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھے دو باتوں پر حیرانی ہوئی۔ اول، کیا ابوبکر مجھ سے آگے بڑھ آئے؟ دوم، میرا رب تو صلوٰۃ سے بے نیاز ہے تو یہ صلوٰۃ کیسی؟ ارشاد ہوا، اے محمدؐ، یہ آیت پڑھیے:

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا (سورۃ الاحزاب،43)

(ترجمہ:) وہی ہے جو خود بھی تم پر رحمت بھیجتا ہے، اور اُس کے فرشتے بھی، تا کہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئے، اور وہ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔

اور ابو بکرؓ کی آواز کا معاملہ یہ ہے کہ ہم نے ابو بکر کی صورت کا ایک فرشتہ پیدا کیا جو آپ کو اُن کے لہجے میں پکارے میں تا کہ آپ کی وحشت دُور ہو اور آپ کو ایسی ہیبت لاحق نہ ہو جو آپ کی تفہیم میں رکاوٹ بنے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش کی طرف اٹھایا گیا۔ عرش اس قدر عظمت اور حُسن والا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ زبان اس کا بیان کر ہی نہیں سکتی۔ یہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔

اکیسواں واقعہ: اللہ تعالیٰ کی رویت اور کلام۔ ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ تمام صحابہ کرام اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

بائیسواں واقعہ: اس کے بعد فوقِ سماوات سے سماوات کی طرف واپسی ہوئی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے واپس ہوئے تو راستے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے پوچھا کہ کیا حکم ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ مجھے دن رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ حضرت موسیٰ نے کہا کہ آپؐ کی امت سے دن بھر میں پچاس نمازیں ہرگز ادا نہ کی جاسکیں گی۔ واللہ، میں آپؐ سے پہلے اپنے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کو خوب بھگت چکا ہوں۔ اپنے رب کے پاس واپس جائیے اور اُن سے ان نمازوں میں کمی کی درخواست کیجیے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس گئے اور پچاس نمازوں میں کمی کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انھوں نے دوبارہ اسی طرح کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر رب العالمین کی طرف لوٹے۔ دس نمازیں کم کردی گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملے تو انھوں نے نمازوں کی تعداد مزید کم کرانے کو کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف واپس گئے اور مزید نمازیں کم کرنے کی درخواست کی جو قبول کرلی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ کے پاس آئے تو انھوں نے کہا کہ اب بھی نمازیں زیادہ ہیں، انھیں کم کرائیے۔ یہ سلسلہ جاری رہا، حتیٰ کہ پچاس نمازیں کم ہوتے ہوتے صرف پانچ رہ گئیں۔ پانچ نمازوں کا پتا چلا تو حضرت موسیٰ نے اس تعداد پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپؐ اپنے رب سے ان میں مزید تخفیف کا کہیے، لیکن اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اب مجھے مزید کمی کرانے میں شرم آتی ہے۔ اب میں اس پر راضی ہوتا ہوں اور اپنی امت کیلئے یہ پانچ نمازیں تسلیم کرتا ہوں۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے تو ایک پکارنے والے نے پکارا کہ میں نے اپنا فرض جاری کردیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کردی۔ نسائی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے جس دن آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا، آپؐ اور آپ کی امت پر پانچ نمازیں فرض کی تھیں۔

حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اگرچہ نمازیں پانچ کردی گئیں، مگر ان کا اجر پچاس کے برابر ہی رکھا گیا۔

تئیسواں واقعہ: آسمانوں سے زمین کی طرف واپسی۔ ام ہانی بنت ابی طالب جن کا نام ہند ہے، کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں سوتے تھے۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا کی نماز پڑھی اور سو گئے۔ ہم بھی سو گئے۔ اس رات فجر کے وقت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بیدار کیا اور پھر ہم نے فجر کی نماز پڑھی۔ اس کے

بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ام ہانی، میں نے تم لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی جیسا کہ تم نے دیکھا۔ پھر میں بیت المقدس پہنچا اور وہاں نماز پڑھی۔ پھر میں نے اب صبح کی نماز تمھارے ساتھ پڑھی جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر جانے کیلئے اٹھے تو میں نے آپؐ کی چادر کا کونہ پکڑ لیا اور عرض کیا کہ لوگوں سے یہ قصہ نہ کہیے گا، کیوں کہ وہ آپؐ کو جھٹلائیں گے اور آپ کو تکلیف دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یہ واقعہ ضرور بیان کروں گا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو حضرت ام ہانی نے اپنی ایک حبشی لونڈیا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے کر دیا تا کہ وہ احوال دیکھ اور جان سکے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے اور لوگوں سے اپنے سفر معراج کا ذکر کیا تو انھیں بڑا تعجب ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی کوئی نشانی (یا ثبوت) دینے کو کہا (تا کہ انھیں آپؐ کی بات پر یقین آئے) کیوں کہ انھوں نے اس سے پہلے ایسی کوئی بات نہیں سنی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی نشانی یہ ہے کہ (اس سفر کے دوران) میں فلاں وادی میں قافلہ کے پاس سے گزرا تھا اور اُن کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا اور میں نے انھیں بتایا تھا۔ اس وقت میں شام کی طرف جا رہا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں واپس آیا اور ضجنان میں ایک قبیلہ کے پاس پہنچا۔ وہ لوگ سو رہے تھے۔ وہاں ایک برتن میں پانی بھرا رکھا تھا اور وہ برتن ڈھکا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ آپؐ نے اس برتن میں سے پانی پیا اور برتن کو دوبارہ ڈھانک دیا۔ اس کی یہ نشانی بھی بتائی کہ وہ قافلہ اب بیضا سے ثنیۃ التنعیم کو آ رہا ہے۔ سب سے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہے۔ اس اونٹ پر دو بورے لدے ہوئے ہیں، ایک کالا، دوسرا دھاری دار۔ یہ بات سن کر چند لوگ ثنیۃ النعیم کی طرف گئے تو انھیں واقعی اس اونٹ سے پہلے کوئی دوسرا اونٹ نہیں ملا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ پھر قافلہ والوں سے برتن کا پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ ہم نے برتن میں پانی بھر کر اور ڈھک کر رکھا تھا۔ مگر صبح کو اس میں پانی نہیں تھا۔

یہ لوگ مکہ آ گئے تو انھوں نے تصدیق کی کہ واقعی صحیح فرمایا۔ اس وادی میں ہمارا اونٹ بھاگ گیا تھا۔ ہم نے ایک شخص کی آواز سنی جو اونٹ کی طرف ہم کو پکار رہا ہے، یہاں تک کہ ہم نے اونٹ کو پکڑ لیا۔

چوبیسواں واقعہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبا شب مسجد اقصیٰ کی طرف لے جایا گیا تو صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے تذکرہ کیا۔ یہ سن کر بعض لوگ جو مسلمان تھے، مرتد ہو گئے اور بعض مشرکین حضرت ابوبکرؓ کے پاس دوڑے گئے اور کہا کہ اپنے دوست کی بھی خبر ہے جو یوں کہتے ہیں کہ مجھے رات ہی رات بیت المقدس لے جایا گیا اور پھر صبح سے پہلے واپس آ گئے۔ (حالانکہ وہ اس قدر دور ہے کہ ایسا ہونا بہ ظاہر ممکن نہیں۔) انھوں نے فرمایا کہ میں تو اس سے بھی دور کی تصدیق کرتا ہوں یعنی آسمان کی خبر کے بارے میں جو اُن کے پاس صبح شام آتی ہے۔

اسی لیے اُن کا لقب ''صدیق'' رکھا گیا۔

پچیسواں واقعہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے خود کو حطیم میں دیکھا کہ قریش مجھ سے میرے سفر معراج سے متعلق پوچھتے تھے۔ انھوں نے مجھ سے بیت المقدس کے بارے میں کئی باتیں پوچھیں۔ میں نے (بہ وجہ ضرورت سمجھنے کے) ان میں ضبط نہ کیا تھا، لہٰذا مجھے اتنی گھٹن محسوس ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اس کو ظاہر کر دیا کہ میں اسے دیکھتا تھا۔ چنانچہ قریش بیت المقدس کے بارے میں مجھ سے جو سوال کرتے، میں انھیں بتا دیتا۔ حضرت ابن عباس سے روایت کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ مسجد لائی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ رہے تھے، یہاں تک کہ عقیل کے گھر کے پاس لا کر رکھی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب بیان فرما دیا۔

اُم ہانیؓ نے روایت کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو

متخیل کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ اس کے بارے میں پوچھتے جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نشانیاں بتاتے جاتے۔ اسی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اس مسجد کے کتنے دروازے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ وجہ اہمیت نہ ہونے کے، دروازے گنے نہیں تھے (اس لیے یہ جواب دینا مشکل تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو یوں سامنے ظاہر فرما دیا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک دروازہ دیکھتے اور گنتے جاتے تھے۔

ہجرتِ حبشہ

حبشہ کی طرف ہجرت نبوت کے پانچویں سال ہوئی۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ مکہ میں کفار مسلمانوں کو بہت زیادہ تکالیف دینے لگے تھے۔ چنانچہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے چند مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ کے بادشاہ کا نام ''نجاشی'' تھا جو مذہباً نصرانی تھا۔ اس نے مسلمانوں کی مدد کی اور خوب اچھی طرح جگہ دی۔ کفار کو اس پر بہت غصہ آیا۔ چنانچہ انھوں نے کئی لوگوں کو (بہ طور وفد) تحفے تحائف دے کر نجاشی کے پاس بھیجا کہ وہ مسلمانوں کو جگہ نہ دے۔ جب انھوں نے نجاشی کے دربار میں اپنا مقصد بیان کیا تو اس نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلا لیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جو مسلمانوں کی طرف سے پیروی کی اور کہا کہ ہم لوگ گم راہ تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغمبر بھیجا اور اپنا کلام اُن پر نازل کیا تو ہم راہِ راست پر آ گئے۔ وہ بھلے کاموں کو حکم کرتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں۔

نجاشی نے خواہش ظاہر کہ جو کلام اُن پر اترا ہے، وہ پڑھ کر سنایا جائے۔ حضرت جعفرؓ نے قرآن کی سورۂ مریم پڑھنا شروع کی تو وہ بہت متاثر ہوا اور مسلمانوں کو تسلی دی جبکہ قریش کے وفد کی درخواست کو رَد کر دیا۔

احادیث میں آتا ہے کہ نجاشی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو ہجرت فرما گئے اور حبشہ کو ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو اس کی خبر ہوئی تو تینتیس افراد مکہ لوٹ آئے جن میں سے سات کو مکہ والوں نے روک لیا جبکہ باقی مدینہ پہنچ گئے۔ بقیہ مسلمانوں نے غزوۂ خیبر کے موقع پر مدینہ کو ہجرت کی۔ ان مسلمانوں کو دو ہجرتوں کی وجہ سے ''اصحاب الہجرتین'' کہتے ہیں۔

نبوت کے بعد مکہ میں قیام

پہلا واقعہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپؐ نے زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیان فرمایا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عیسائیوں کے بڑے عالم تھے۔ انھوں نے آپؐ کے نبی ہونے کی تصدیق کی۔

نبوت ملنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا پوشیدہ آغاز کیا تو خواتین میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ نے اسلام قبول کیا، جوانوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے، لڑکوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ نے، غلاموں میں سب سے پہلے حضرت بلالؓ نے، آزاد شدہ غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زیدؓ بن حارثہ نے، اور پھر حضرت عثمانؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف نے اسلام قبول کیا۔

دوسرا واقعہ: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت وانذر عشیرتك الاقربین نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر چڑھ کر اہل مکہ کو پکارا اور سب کو جمع کر کے انھیں اس بات سے ڈرایا کہ اگر وہ شرک پر جمے رہیں گے تو اللہ کے عذاب کا شکار ہوں گے۔ اس لیے، شرک چھوڑ کر توحید اختیار کریں۔

ابولہب نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سخت الفاظ کہے۔ اس کے بارے میں سورۃ اللھب نازل ہوئی جس میں ابولہب اور اس کی بیوی کی مذمت کی گئی، کیوں کہ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی رکھتی تھی۔ ابولہب کے دو بیٹے تھے، عتبہ اور عتیبہ۔ ان دونوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ بیاہی تھیں۔ جب آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی دعوت شروع کی تو ابولہب نے اپنے بیٹوں سے کہہ کر ان صاحب زادیوں کو طلاق دلوادی۔ عتبہ نے حد کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کر بھی بے ادبی کی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بددُعا دی۔ اللھم سلط علیہ کلبا من کلابک۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ، اپنے کتوں مین ں سے ایک کتا اس پر مسلط کردے۔ پھر اس بددعا کا اظہار یوں ہوا کہ ایک مرتبہ عتبہ تجارت کیلئے شام جارہا تھا کہ راستے میں ایک مقام پر جہاں شہر لگتا تھا، وہ ٹھہرا ہوا تھا۔ ابولہب نے بیٹے کی حفاظت کیلئے تمام اسباب جمع کردیے اور اسے ایک اونچے ٹیلے پر بٹھادیا، پھر باقی تمام لوگوں کو اس کے اردگرد سلادیا۔ رات کو شیر آیا اور عتبہ کر مار کر چلا گیا۔ مگر اُن لوگوں کے دل کی سختی کا یہ عالم تھا کہ ان واضح علامات پر بھی ایمان نہیں لائے بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں بڑھتے ہی چلے گئے۔

یہ واقعہ نبوت کے ابتدائی زمانے کے ہیں۔

تیسرا واقعہ: ہجرتِ حبشہ ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا اور مکہ سے نکل گئے۔ ابھی راستے میں برک الغماد تک پہنچتے تھے کہ قارہ قوم کا سردار مالک بن دغنہ ملا جو اپنی پناہ میں انھیں واپس مکہ لے آیا اور کفارِ قریش سے کہہ دیا کہ یہ میری پناہ میں ہیں اور ہمیں منظور ہے کہ وہ قرآن اپنے گھر میں پڑھیں کہ باہر آواز نہ آئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے چند روز ایسا ہی کیا، لیکن پھر ضبط نہ ہوسکا اور دوبارہ بہ آوازِ بلند قرآن پڑھنا شروع کردیا۔ محلے کی عورتیں جمع ہوکر قرآن سننے لگیں۔ اب کفار نے حضرت ابوبکر کے پناہ دہندہ

سے کہا کہ یہ وعدہ خلافی ہے۔ پناہ دہندہ نے حضرت ابوبکر صدیق سے کہا کہ اگر آپ ایسا کریں گے تو میری پناہ نہیں رہے گی۔ انھوں نے کہا، مجھے اللہ کی پناہ کے سوا کسی کی پناہ میں رہنا منظور نہیں۔ وہ اپنی پناہ توڑ کر چلا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق بہ امانِ الٰہی محفوظ رہے۔

چوتھا واقعہ: حضرت عمر بن خطاب اور عمر بن ہشام (ابوجہل) دونوں بڑے سردار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے دشمن تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ، عمر بن خطاب یا عمر بن ہشام سے دین اسلام کو عزت دے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب کے حق میں یہ دعا قبول ہوئی۔

اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مسلمان اکثر چھپے رہتے، یہاں تک کہ ان کی تعداد انتالیس تک پہنچ گئی۔ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے گھر تھے کہ حضرت عمر بن خطاب آپہنچے۔ وہ اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ یہاں آکر انھیں پتا چلا کہ وہ اسلام کے دشمن ہیں، مگر ان کی چہیتی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ وہ اپنی بہن کے گھر گئے جو اس وقت قرآن کریم کی تلاوت کر رہی تھیں۔ انھوں نے بھائی کو گھر میں دیکھا تو قرآنی اوراق چھپا دیے۔ مگر حضرت عمرؓ کو پتا چل گیا۔ پہلے تو انھوں نے اپنی بہن اور بہنوئی کو زدوکوب کیا، مگر کچھ دیر بعد خواہش کا اظہار کیا کہ جو قرآن تم پڑھ رہے تھے، وہ مجھے بھی سناؤ۔ چنانچہ جب اُن کی بہن نے قرآن کی آیات تلاوت کرنا شروع کیں تو یہ معجزانہ کلام ان کے دل کو چیرتا چلا گیا۔ وہیں اسلام قبول کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اظہارِ ایمان کیا۔

پانچواں واقعہ: جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے تو ایک نمائندہ مطعم بن عدی کے پاس بھیجا اور اُن سے امن طلب کیا۔ مطعم نے امن دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مسجد آیا۔ اس واقعہ کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کیا کرتے تھے۔

مدینہ کو ہجرت

نبوت کے تیرھویں سال جب بیعت عقبہ ثانیہ ہوگئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو یثرب (مدینہ طیبہ کا پرانا نام) کی طرف ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ صحابہ نے چھپ کر وہاں کا سفر شروع کر دیا تا کہ کفارِ مکہ انھیں روک کر تنگ نہ کریں۔ اس صورتِ حال کا بہ ہر کیف کفار کو پتا چل گیا۔ چنانچہ ایک دن قریش کے کافر سردار ''دار الندوہ'' میں جمع ہوئے اور اُن سب سے مل کر یہ طے کیا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی لیا جائے اور پھر سب مل کر رات کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر پر دھاوا بولیں اور انھیں رات کی تنہائی میں قتل کر دیا جائے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

بنی ہاشم جو محمدؐ کے حامی تھے، وہ تمام قبائل کو ایک ساتھ دیکھیں گے تو بدلہ بھی نہیں لے سکیں گے، لہٰذا خون بہا پر راضی ہوجائیں گے اور ہم انھیں دیت ادا کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سازش سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرما دیا اور حکم ہوا کہ آپؐ مدینہ (اس وقت کا یثرب) کی طرف ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس موجود امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کیں اور رات کو گھر سے نکلے۔ کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کو گھیرے میں لے رکھا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان دشمنوں کی نظروں سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اوجھل کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ لوگ دیکھ نہ پائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکل کر حضرت ابوبکر کے پاس تشریف لائے اور انھیں ساتھ لے کر نہایت احتیاط سے غارِ ثور میں جا چھپے۔ اِدھر، کفار جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہوئے تو انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ملے تو

انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ کی تلاش میں کچھ آدمی اِدھر اُدھر دوڑائے۔ وہ اس تلاش میں غار کے منہ تک پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے غار کے منہ پر مکڑی نے جالا پور دیا اور ایک کبوتر کے جوڑے نے آ کر انڈے سینے شروع کر دیے۔ کفار نے جب یہ دیکھا تو کہا کہ اگر اس میں کوئی آدمی جاتا تو مکڑی کا یہ جالا ٹوٹ جاتا اور کبوتر بھی اُڑ جاتے۔ یہ کہہ کر وہ واپس لوٹ گئے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے مکڑی کے جالے اور کبوتر کے انڈوں سے ایسا کام لیا کہ جو کسی مضبوط قلعے اور آہنی خود والے جنگجوؤں سے بھی ممکن نہ تھا۔

تین دن تک رسول صلی اللہ علیہ وسلم غار میں رہے۔ اس دوران حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت عامر بن فہیرہ غار کے قریب رہ کر بکریاں چراتے اور بکریوں کا دودھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کو پلا جاتے۔ مکہ میں حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے حضرت عبداللہ قریش کی مجالس میں شرکت کرتے اور وہاں کی خبریں دریافت کر کے رات کو غار میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتے۔ انھوں نے عبداللہ بن اریقط کو پہلے ہی سے رہبری کیلئے نوکر رکھ لیا تھا اور اپنی اونٹنیاں انھی کے سپرد کر دی تھیں۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق وہ تین دن بعد اونٹنیاں غار کے پاس لے آئے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عامر بن فہیرہ ان پر سوار ہو کر ساحل کے راستے مدینہ کو روانہ ہوئے۔

اِدھر، مدینہ والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر تھے۔ وہ روزانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کیلئے مکہ کے راستے پر آتے اور انتظار کرتے کرتے دوپہر کے قریب لوٹ جاتے۔ جس روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے، اس روز بھی مدینہ والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر کے واپس مدینہ کی طرف لوٹ رہے تھے کہ ایک یہودی نے ایک ٹیلے پر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری دیکھ لی اور واپس جانے والوں سے چلا کر کہا، یا معاشر العرب هذا جد کم، یعنی اے گروہ عرب، یہ تمہارا خوش نصیبی کا

سامان آ پہنچا۔ وہ لوگ واپس اس راستے پر آئے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ اس روز اہل مدینہ کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ چھوٹی بچیاں شوق میں یہ نظم پڑھتی تھیں:

طلع البدر علینا	من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا	ما دعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا	جئت بالامر المطاع

ترجمہ: ہم پر بدر نے طلوع کیا ثنیات الوداع سے ہم پر شکر کرنا فرض ہے۔ جب تک اللہ تعالٰی سے کوئی دعا کرنے والا رہے، اے نبی، جو ہم میں مبعوث ہوئے ہیں، آپ ایسا حکم لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت ضروری ہے۔

آں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے دوشنبہ کو چلے تھے، مہینہ ربیع الاول کا تھا۔ اور بارہ ربیع الاول کو دوشنبہ ہی کے دن مدینہ پہنچے۔ وہاں پہلے محلہ قبا میں آئے تو منازل بنی عمرو بن عوف میں چودہ دن ٹھہرے۔ تیسرے دن حضرت علیؓ بھی مکہ میں امانتیں لوگوں کے سپرد کر کے مدینہ آ گئے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شہر کے اندر تشریف لے جانے کا فیصلہ کیا۔ مدینہ کے ہر شہری کی خواہش تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے محلے میں ٹھریں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہوئے تو ہر قبیلے کے لوگ ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اونٹنی مامور ہے، یہ جہاں بیٹھے گی، وہیں میں ٹھہروں گا۔ یہ اونٹنی چلتے چلتے اس جگہ آ بیٹھی جہاں اب مسجد نبویؐ کا منبر ہے۔ اس جگہ کے برابر میں حضرت ابو ایوبؓ انصاری کا مکان تھا۔ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان اتارا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوبؓ کے گھر ٹھہرے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ

زمین خریدی، جہاں اونٹنی آ کر رکی تھی اور یہاں مسجد نبویؐ کی تعمیر شروع فرمائی۔

مدینہ آمد کے بعد...

پہلا واقعہ: مدینہ تشریف آوری کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کیلئے مدینہ کے ایک بڑے یہودی عالم عبداللہ بن سلام آئے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیس سوالات کیے اور جواب صحیح پا کر ایمان لے آئے۔

دوسرا واقعہ: حضرت سلمان فارسیؓ جو ایران کے مجوسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، دین حق کی تلاش میں تھے۔ وہ پہلے ہی اپنا مذہب چھوڑ کر نصاریٰ کا دین اختیار کر چکے تھے۔ یہود و نصاریٰ کے علما کی زبانی انھوں نے سن رکھا تھا کہ ایک نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ آئیں گے۔ یہ جان کر وہ مدینہ آ ٹھہرے تھے۔ سفر کے دوران وہ کئی جگہ بکے۔ ان دنوں ایک یہودی کے غلام تھے۔ جب آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات پہچان کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی آزادی کی فکر کرو۔ انھوں نے اپنے مالک سے بات کی تو اس نے شرط لگائی کہ چالیس اوقیہ سونا (تقریباً سوا کلو سے ڈیڑھ کلو) مکاتب کر دیا۔ نیز، جب وہ تین سو درخت چھوارے کے لگا دیں اور جب وہ با آور ہوں تو آزاد ہو جائیں۔ حضرت سلمان فارسی نے وہ تمام درخت لگا دیے اور اللہ کی قدرت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے وہ تمام درخت اسی سال بار آور ہوئے۔ پھر مالِ غنیمت میں ایک بیضہ کے قریب سونا آیا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمانؓ کو یہ سونا دیا کہ اپنے مالک کو دے دیں۔ حضرت سلمان نے عرض کی کہ اس سے زیادہ سونا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سونے پر زبانِ مبارک پھیری اور دعائے برکت کی۔ سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ میں نے جب اسے تولا تو وہ چالیس اوقیہ سے کم تھا اور نہ زیادہ۔ یہ سونا ادا

کر کے وہ آزاد ہو گئے۔ پھر تمام زندگی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔
تیسرا واقعہ: مدینہ طیبہ میں بئیر رومہ کے نام سے پانی کا ایک کنواں ہے۔ اس کنویں کا پانی میٹھا تھا جبکہ دوسرے گاؤں کے کنوؤں کا پانی کھاری تھا۔ بیئر رومہ کا مالک ایک یہودی تھا۔ وہ پانی بیچا کرتا تھا۔ اس وجہ سے مسلمانوں کو پانی تکلیف کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بیئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کو اس کے استعمال کی اجازت دے دے تو اس کیلئے جنت ہے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ کنواں خالص اپنے مال سے خرید کر مسلمانوں کو وقف کر دیا۔ رضی اللہ عنہ۔

غزوات وسرایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مدینہ میں آمد سے وفات تک دس سال دو ماہ رہا۔ جب دو ہجری میں جہاد فرض ہوا تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال شروع کیا اور مختلف علاقوں میں لشکر بھیجنا شروع کیے۔ بعض مہموں میں خود بھ شریک ہوئے۔ جن مہموں میں خود شرکت فرمائی، انھیں ''غزوہ'' کہتے ہیں جبکہ جن مہموں میں خود شرکت نہیں فرمائی، مگر صحابہ کرام کو بھیجا، وہ ''سریہ'' کہلاتے ہیں۔

ہجرت کا پہلا سال

ہجرت کے پہلے سال اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفار کے ظلم وستم کے مقابلے کیلئے قتال کی اجازت ملی۔ یہ ایک طرح سے مسلمانوں کے ہاتھوں کفار پر اللہ کا عذاب بھی تھا۔

1) **سریہ سیف البحر:** اس سریہ کا مقصد قریش کے تجارتی قافلے سے متعلق معلومات اکٹھی کرنا تھا۔ اس میں جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی۔

2) **سریہ رابغ:** اس سریہ کا مقصد قریش کے تجارتی قافلے سے متعلق معلومات اکٹھی کرنا تھا۔ اس میں معمولی تیراندازی ہوئی لیکن باقاعدہ جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

3) **سریہ خرار:** یہ مہم بھی معلومات اکٹھی کرنے کے لئے کی گئی۔ اس میں بھی کسی جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

4) **غزوۂ ابوا:** یہ غزوہ قریش کے تجارتی قافلے کو روکنے کے لئے کیا گیا تھا۔ اس میں جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی بلکہ ابوا کے رہائشی بنوضمرہ سے صلح کا معاہدہ طے پایا۔

6) **غزوہ سفوان:** یہ غزوہ ڈاکوؤں کے خلاف کاروائی پر مبنی تھا۔ اس میں بھی جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

7) **سریہ عبداللہ بن جحش:** یہ مہم صرف بارہ افراد پر مشتمل تھی اور اس کا مقصد معلومات حاصل کرنا تھا۔ اس سریے میں معمولی جنگ ہوئی۔ دشمن کا ایک آدمی مقتول اور دو افراد بطور قیدی گرفتار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ ؤالہ وسلم نے ان دونوں قیدیوں کو بغیر کسی معاوضے کے آزاد کر دیا اور مقتول کی دیت بھی ادا فرمائی۔

* اسی سال اذان کا آغاز ہوا۔
* اسی سال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر آئیں۔
* اسی سال مہاجرین اور انصار کے درمیان ''عقد اخوت'' قائم ہوا۔

ہجرت کا دوسرا سال

ربیع الاول کے مہینے میں **غزوۂ بواط** ہوا۔ بواط ایک مقام کا نام ہے۔ قریش کے قافلہ کو روکنا مقصد تھا، مگر وہ قافلہ نہ ملا اور مقابلہ نہ ہو سکا۔

جمادی الاولیٰ میں **غزوۂ عشیرہ** واقعہ ہوا۔ ناحیہ ینبع میں بنی مدلج کی ایک زمین تھی جہاں سے قریشی قافلہ گزرنا تھا۔ یہ قافلہ بھی نہیں ملا۔ تاہم جب اس کی واپسی کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ اس کے تعاقب کا فیصلہ کیا۔ یہ سفر غزوۂ بدر کا سبب بنا۔ اس لیے غزوۂ عشیرہ کو غزوۂ بدر اولیٰ بھی کہتے ہیں۔

رجب میں حضرت عبداللہ بن جحش اسدی کو بطن نخلہ کی طرف بھیجا گیا۔ اسی واقعہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ

وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (سورہ بقرہ، 217)

ترجمہ: لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں جنگ کرنا کیسا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے مگر لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا، اس کے خلاف کفر کی روش اختیار کرنا، مسجد حرام پر بندش لگانا اور اس کے باسیوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سنگین چیز ہے۔ اور یہ (کافر) تم لوگوں سے برابر جنگ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو یہ تم کو تمہارا دین چھوڑنے پر آمادہ کر دیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی شخص اپنا دین چھوڑ دے اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ دوزخ والے ہیں وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

غزوۂ بدر: یہ اس سال کا سب سے عظیم واقعہ ہے۔ اس کا ایک لقب ''غزوۂ بدر کبریٰ'' ہے۔ رمضان میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر سنی کہ قریش کا ایک قافلہ شام سے مکہ کو جا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادہ کی خبر جب قریش کو ملی تو انھوں نے ایک ہزار جنگجوؤں کا لشکر تیار کیا اور مدینہ کی طرف لڑائی کی غرض سے چل پڑے۔ اِدھر، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف تین سو تیرہ صحابہ کرام تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بہت زیادہ فکر تھی کہ اتنے کم مسلمان کیوں کر اتنی بڑی تعداد کا مقابلہ کر پائیں گے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ساری ساری رات گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگتے رہے۔ دوسری جانب کفارِ مکہ کے لشکر نے میدانِ بدر میں جا کر پڑاؤ کیا۔ اُن کا خیال یہ تھا

کہ غریب اور لٹے پٹے مسلمان اُن کا کیا مقابلہ کریں گے، لیکن یوں ان کی دھاک مسلمانوں اور قریبی قبائل میں ضرور بیٹھ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کو اسلام کا اعزاز اور کفر کی تذلیل منظور تھی، لہٰذا مقابلہ ہوا اور کمال طریقے سے مسلمان اس مقابلے میں کامیاب اور فاتح ہوئے۔

اس واقعہ کے سات روز بعد **غزوۂ بنی سلیم** کیلئے تشریف لے گئے، مگر لڑائی نہیں ہوئی۔

ذوالحجہ میں **غزوۂ سویق** ہوا۔ اس لڑائی کا پس منظر یہ ہے کہ جب کفار بدر سے شکست کھا کر مکہ لوٹے تو اس پر ابوسفیان کو غصہ آیا۔ وہ دوسو سواروں کو لے کر لڑائی کیلئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کو اس کی خبر ہوگئی۔ چنانچہ جب مسلمان ان سواروں کی طرف آئے تو وہ سب واپس بھاگ لیے۔ واپسی پر یہ لشکر اپنے ساتھ لایا ہوا ستو چھوڑ گیا۔ اسی لیے اس غزوہ کا لقب ''سویق'' پڑا۔

ذوالحجہ ہی میں **غزوۂ غطفان** واقع ہوا۔ دشمن کے علاقے میں اگلے صفر تک پڑاؤ کیا، لیکن لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

شعبان میں **تحویل قبلہ** کا حکم ہوا۔

شعبان ہی میں **زکات** اور **روزہ** فرض ہوئے۔

رمضان کے آخر میں **صدقہ فطر** فرض ہوا۔

عیدین کی نمازیں اور **قربانی** بھی اسی سال مقرر ہوئیں۔

واقعہ بدر سے واپسی سے ایک دن پہلے حضرت بی بی رقیہؓ وفات پا گئیں۔ وہ حضرت عثمانؓ غنی کے نکاح میں تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد دوسری صاحبزادی حضرت اُم کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمان سے کیا۔ اسی لیے حضرت عثمان ''ذوالنورین'' کہلاتے ہیں۔ اس کا معنی ہے، ''دونور والے''۔

ہجرت کا تیسرا سال

ربیع الاول کے آخر میں قریش کے تعاقب میں لشکر گیا۔ یہ لشکر نجران تک گیا اور ربیع الثانی تک وہاں پڑاؤ کیا۔مگر لڑائی نہیں ہوئی۔ چنانچہ مسلمان واپس آ گئے۔

بنو قینقاع جو مدینہ کے یہود تھے، انھوں نے عہد کے خلاف کیا تو اُن کا گھیراؤ کیا گیا۔ عبداللہ بن ابی کی سفارش پر چھوڑ دیا گیا۔اسی عہد خلافی کی وجہ سے کعب بن اشرف کے قتل کا حکم دیا گیا۔

غزوۂ احد شوال کے شروع میں واقع ہوا۔ یہ عہد اسلامی کا دوسرا بڑا غزوہ ہے۔غزوۂ بدر میں جو ٹھیس کفارِ قریش کو پہنچی تھی، وہ اسے ابھی نہیں بھولے تھے کہ اسی دوران سریہ قردہ میں ہزروں درہم اور کئی گنا مالی نقصان انھیں اٹھانا پڑا۔غزوۂ بدر میں ابوجہل کی ہلاکت کے بعد ابوسفیان نے قریش کے ساتھ مل کر مدینہ کے مسلمانوں پر ایک بڑا حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ تیاریاں غزوۂ احد کے شکل میں سامنے آئیں۔

ہند بنت عتبہ نے اپنے غلام حبشی کو اس بات پر قائل کر لیا تھا کہ وہ اگر اس لڑائی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کو قتل کر دے گا تو ہند کے چچا طیعمہ بن عدی کا بدلہ پورا ہو جائے گا۔پھر وہ اسے آزاد کر دے گی۔

مجوزہ میدان میں جگہ جگہ گڑھے کھدوائے گئے تھے اور غالباً کھجور کی پتلی پتلی شاخیں ان پر رکھ دی گئی تھیں تا کہ بعد میں آنے والے کو پتا نہ چلے۔ایسے ہی ایک گڑھے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گر گئے تھے۔

قریشن کی جنگی تیاریوں کی تمام خبریں مکہ میں موجود حضرت عباسؓ کے ذریعے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ رہی تھیں۔ وہ اگرچہ اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے سب کچھ کرنے کو تیار رہتے تھے۔

کفار کی جانب سے تین ہزار افراد لڑائی کیلئے تھے جبکہ اسلامی لشکر میں صرف سات مجاہدین تھے۔ مدینہ میں گشت اور پہرے کا نظام قائم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم احد کے میدان کی طرف چل دیے۔

میدانِ احد پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مختلف جتھوں میں تقسیم کیا۔ اول مسلمان جنگ جیت رہے تھے، لیکن کچھ غلط فہمی کی بنا پر مسلمان لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے بغیر ہی اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ کفار کو موقع مل گیا اور انھوں نے مسلمانوں پر پلٹ کر حملہ کر دیا۔ اس وجہ سے مسلمان بوکھلا گئے اور یوں مسلمانوں بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ اسی غزوہ میں، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک بھی شہید ہوئے۔

پھر غزوۂ حمرالاسد ہوا۔ حمرالاسد ایک مقام کا نام ہے۔ یہ واقعہ غزوۂ احد کے فوری بعد کا ہے۔ ہوا یوں کہ واقعہ احد کے بعد جب مسلمان اور کفار واپس لوٹے تو کفار نے راستے میں ارادہ کیا کہ مکہ جانے کی بجائے مدینہ پر حملہ کیا جائے۔ جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُن کی طرف چل پڑے۔ جب مقام حمرالاسد تک پہنچے تو وہیں پڑاؤ کا فیصلہ کیا اور پھر بقیہ شوال، ذوالقعدہ، ذی الحج یہیں قیام کیا، مگر کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔

محرم (چار ہجری) کا چاند نظر آیا تو خبر ملی کہ طلحہ بن خویلد اور سلمہ بن خویلد لڑائی کیلئے آرہے ہیں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسلمہ کو ڈیڑھ سو مہاجرین و انصار کے ساتھ مقابلے کیلئے بھیجا، مگر لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ البتہ غنیمت میں مویشی ہاتھ آئے۔

چند ہی روز میں خالد بن سفیان کے لشکر جمع کرنے کا پتا چلا تو اس سے مقابلے کیلئے حضرت عبداللہ بن انیس کو مقابلے کیلئے بھیجا گیا۔ وہ اٹھارہ روز لشکر کا انتظار کرتے رہے، مگر

کوئی نہ آیا تو واپس آ گئے۔

صفر کے مہینے میں سریہ رجیع واقع ہوا۔ اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ کفارِ مکہ کے بہکانے پر قبیلہ عضل وقارہ کے چند لوگ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انھوں نے بہ ظاہر اپنا اسلام قبول کرنا ظاہر کیا اور ساتھ ہی یہ درخواست کی کچھ صحابہ کرام کو اُن کے ساتھ بھیج دیا جائے جو انھیں اسلام کی تعلیم دیں۔ چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خواہش پر دس صحابہؓ ان لوگوں کے ساتھ کر دیے۔ جب یہ تمام لوگ ایک تالاب جس کا نام ''رجیع'' تھا کے قریب پہنچے تو قبیلہ عضل وقارہ والوں نے بدعہدی کی اور قریبی قبیلہ قریبی قبیلہ ہذیل کے لوگوں کو بلا لیا۔ ان دونوں نے مل کر ان دس صحابہؓ میں سے چند کو شہید کر دیا اور بعض گرفتار کر لیے گئے۔

صفر ہی کے مہینے میں بیئر معونہ کا واقعہ ہوا۔ یہ جگہ شہر ہذیل میں مکہ اور عسفان کے درمیان ہے۔ نجد قوم کے قبیلہ بنی عامر سے ایک شخص عامر بن مالک حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ میں مسلمان ہو جاتا، مگر مجھے اپنی قوم کا خیال ہے؛ اگر آپ چند صحابہؓ میرے ساتھ کر دیں اور وہ میرے قبیلے والوں کو اسلام کی دعوت دیں تو پھر مجھے بھی قبول اسلام میں کوئی جھجک نہیں ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اہل نجد کا ڈر ہے۔ عامر نے کہا، میں ان مسلمانوں کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ اس پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر صحابہ کرام عامر بن مالک کے ساتھ کر دیے۔ جب یہ تمام لوگ بیئر معونہ پر پہنچے تو وہاں کفار میں سے رعل وذکوان وعصبہ نے تقریباً سب کو شہید کر ڈالا۔ اس بغاوت اور دھوکے کا بانی عامر بن طفیل تھا جو عامر بن مالک کا بھتیجا تھا۔ عامر بن مالک کو اس واقعہ کا بہت افسوس ہوا کہ اس کی امان میں اسی کے بھتیجے نے فتور ڈالا۔ انھی دنوں عامر بن مالک مر گیا۔ اس کے بعد عامر بن طفیل نے اپنا پیغام آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ مجھے ملک بانٹ دیجیے یا اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ بنا دیجیے، ورنہ بڑا لشکر

لے کر آپؐ سے لڑوں گا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے بد دعا کی، اللھم اکفنی عامراً۔ چنانچہ وہ طاعون سے مر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید قرا صحابہ کے قاتلوں پر قنوت میں بد دعا فرمائی۔ لیکن جب وہ مسلمان ہو کر آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بد دعا ختم فرمادی۔

اسی زمانے میں **غزوۂ بنی نضیر** ہوا۔ بنی نضیر مدینہ کے یہود تھے۔ اس غزوہ کا پس منظر بیرٔ معونہ سے ملتا ہے۔ واقعہ بیرٔ معونہ میں عمرو بن امیہ ضمری بھی قید ہوئے، لیکن انھیں عامر بن طفیل نے ان کی پیشانی کے بال کاٹ کر چھوڑ دیا، کیوں کہ عامر کی ماں کے ذمے ایک غلام آزاد کرنا تھا۔ عمرو بن امیہ جب واپس جا رہے تھے تو انھیں راستے میں بنو عامر کے دو مشرک ملے۔ عمرو نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔ یہ دونوں مشرک آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امان میں تھے۔ عمرو بن امیہ کو اس بات کی خبر نہ تھی۔ چونکہ یہ قتل بہ خطا ہوا تھا، لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت تجویز کی۔ بنی عامر اور بنی نضیر ہم عہد تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان سے بھی اس معاملے میں مشورہ کر لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے نکل کر اُن کے ہاں تشریف لے گئے۔ ان دونوں قبائل کے با اثر لوگوں نے معاہدۂ امن ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی۔ طے یہ ہوا کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دیوار کے ساتھ بٹھا دیا جائے گا اور اوپر سے بھاری پتھر اُن پر پھینک دیا جائے گا۔ لیکن، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سازش کی اطلاع بذریعہ وحی کر دی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر مدینہ تشریف لے آئے اور واپس آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کو پیغام بھجوایا کہ چونکہ تم نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے، لہٰذا اب یا تو دس دن کے اندر یہاں سے نکل جاؤ، ورنہ لڑائی ہوگی۔ یہود لڑائی کیلئے تیار ہو گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر لشکر کشی اور ان کے قلعے کو گھیر لیا تو وہ اس حصار سے تنگ آ گئے اور اس علاقے سے نکل جانے پر راضی ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ سب ہتھیار چھوڑ کر جاؤ، باقی جتنا اسباب لے جاسکتے ہو، لے جاؤ۔ یہ یہود وہاں سے نکل کر کچھ خیبر میں جا بسے اور بعض شام چلے گئے۔ سورۂ حشر میں اس قصے کا ذکر ہے۔

اسی سال یا اگلے سال شراب حرام ہوئی۔

حضرت حسنؓ پیدا ہوئے۔

ہجرت کا چوتھا سال

شعبان کے مہینے میں غزوۂ بدر ثانی ہوا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ غزوۂ احد سے واپس ہوتے ہوئے حضرت ابوسفیان مسلمانوں سے یہ کہہ گئے تھے کہ اگلے سال بدر پر لڑائی ہوگی۔ جب وہ زمانہ قریب ہوا تو ابوسفیان کی ہمت نہ ہوئی، تاہم مسلمانوں پر رعب ڈالنے کیلئے انھوں نے ایک شخص نعیم بن مسعود کو مدینہ بھیجا تا کہ مسلمانوں کو یہ کہہ کر ڈرائیں کہ ابوسفیان بہت سا لشکر جمع کر رہا ہے۔ لیکن یہ خبر سن کر مسلمان مرعوب تو کیا ہوتے، سن کر کہنے لگے کہ حسبنا اللہ نعم الوکیل اور پھر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ڈیڑھ ہزار جاں نثاروں کا لشکر لے کر بدر جا پہنچے۔ وہاں چند روز قیام کیا، مگر کوئی مقابلے کو نہیں آیا۔ وہاں اصحابؓ نے تجارت سے خوب نفع کمایا اور خوش وخرم بے جنگ واپس مدینہ آ گئے۔

اسی سال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی۔

ہجرت کا پانچواں سال

ربیع الاول کے مہینے میں غزوۂ دومۃ الجندل واقع ہوا۔ یہ مقام دمشق سے پانچ منزل کے فاصلے پر ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تھا کہ وہاں کچھ کفار جمع ہوئے ہیں اور مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ

وہاں روانہ ہوئے۔ وہ خبر سن کر اِدھر اُدھر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں چند روز قیام کیا اور پھر مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

غزوۂ مریسیع جو ماہ شعبان میں ہوا۔ اسے غزوۂ بنی مصطلق بھی کہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تھی بنی مصطلق لڑائی کا ارادہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود صحابہؓ کو لے کر اُن کی طرف روانہ ہوئے اور مریسیع نامی مقام پر ایک چشمے پر جا ٹھہرے۔ لیکن وہ لوگ مقابلے پر نہیں آئے۔ البتہ بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ تیروں کا مقابلہ ہوا تھا، لیکن مقابل جلد ہی پسپا ہو گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے لشکر نے بنو مصطلق پر چھاپا مارا تو وہاں کچھ خواتین، بچے اور مرد قید کیے گئے۔ قیدیوں میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں جو بنوالمصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں۔ وہ ثابت بن قَیس کے حصے میں آئیں۔ ثابت نے انہیں مکاتب بنالیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی جانب سے مقررہ رقم ادا کر کے ان سے شادی کر لی۔ اس شادی کی وجہ سے مسلمانوں نے بنو مصطلق کے ایک سو گھرانوں کو جو مسلمان ہو چکے تھے، آزاد کر دیا۔

یہ غزوہ جنگی نقطۂ نظر سے اتنا نمایاں نہیں، مگر بعض سماجی اور سیاسی پہلو ایسے نکلتے ہیں کہ جن کی وجہ سے خود اُس وقت کے اسلامی معاشرے میں ہلچل مچ گئی۔ ساتھ ہی منافقین کا پردہ فاش ہوا اور ایسے تعزیری قوانین نازل ہوئے جن سے اسلامی معاشرے کو شرف وعظمت اور پاکیزگی کی ایک خاص شکل عطا ہوئی۔

واقعہ افک یعنی حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے کا سانحہ بھی اسی غزوہ سے واپسی پر پیش آیا۔ اس واقعے کا پس منظر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ سفر میں جاتے ہوئے ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے۔ اس غزوہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔

غزوے سے واپسی میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا۔ حضرت عائشہؓ اپنی حاجت کیلئے گئیں

تو اپنی بہن کا ہار جسے عاریتاً لے گئی تھیں، کھو دیا۔ جب انھیں پتا چلا تو وہ لشکر میں کسی کو بتائے بغیر اس ہار کی تلاش میں کچھ راستے تک واپس چلی گئیں۔ اسی دوران وہ لوگ آئے جو آپ کا ہَودَج اونٹ پر لادا کرتے تھے۔ انہوں نے سمجھا آپ ہودج کے اندر تشریف فرما ہیں۔ اس لیے اسے اونٹ پر لاد دیا، اور ہودج کے ہلکے پن پر نہ چونکے۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ ابھی نوعمر تھیں۔ بدن موٹا اور بوجھل نہ تھا نیز چونکہ کئی آدمیوں نے مل کر ہودج اٹھایا تھا اس لیے بھی ہلکے پن پر تعجب نہ ہوا۔ اگر صرف ایک یا دو آدمی اٹھاتے تو انہیں ضرور محسوس ہو جاتا۔

جب حضرت عائشہؓ ہار ڈھونڈھ کر قیام گاہ پہنچیں تو پورا لشکر جا چکا تھا۔ وہ وہیں بیٹھ رہیں کہ جب لشکر کو پتا چلے گا تو اُن کی تلاش میں واپس آئے گا۔ اس دوران حضرت صفوان بن معطلؓ کا گزر یہاں سے ہوا تو انھوں حضرت عائشہؓ کو تنہا دیکھ کر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے اِنا للہ و اِنا اِلیہ راجعون کہا۔ اور پھر اپنی سواری پر بٹھا کر چپ چاپ پیدل چلتے ہوئے لشکر تک آ پہنچے۔

اس منظر کو دیکھ کر کمزور ایمان والے تذبذب میں مبتلا ہو گئے، خاص طور پر، منافقین کے ہاتھ ایک بڑا حربہ آ گیا اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں حضرت عائشہ پر بہتان طرازی شروع کر دی۔ یہ گولہ باری اتنی شدید تھی کہ بعض اصحاب بھی اس مغالطے میں آ گئے۔ چند صحابہ کرامؓ ہی محفوظ رہ پائے۔

اس کا شدید بوجھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تھا جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی مغموم تھے۔ حضرت عائشہؓ نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو بات میرے لیے آپ کے دلوں میں بیٹھ گئی ہے، وہ میرے کہنے سے صاف نہیں ہو گی۔ میرا اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں۔

اس کے بعد آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ نور کی دس آیات نازل ہوئیں جن

میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی برات نازل فرمائی۔تب کہیں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا بوجھ اترا اور راحت نصیب ہوئی۔

ماہ شوال میں **غزوۂ احزاب** (غزوۂ خندق) واقع ہوا۔ جب بنی نضیر جلاوطن کیے گئے، اس قبیلے میں حیی بن اخطب نامی شخص بڑا مفسد تھا۔ وہ چند مفسدوں کے ساتھ مکہ پہنچا اور وہاں قریش کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑائی کیلئے آمادہ کیا۔ مزید آدمی دینے کا وعدہ بھی کیا۔ مختلف قبائل مل کر دس ہزار کا لشکر ہو گیا۔ یہ بڑا لشکر مدینہ پر حملہ کرنے چلا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پتا چلا تو تدبیر کے طور پر حضرت سلمانؓ کے مشورے سے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا فیصلہ کیا۔ خندق کھودنے کے بعد وہاں اسلامی لشکر کھڑا کیا اور لڑائی کیلئے تیار ہو گئے۔ ایک صحابی کے پیٹ پر باندھنے اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے پیٹ پر دو پتھر بندھے دکھانے کا واقعہ اسی غزوہ کا ہے۔

جب کفار کا لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو وہاں خندق دیکھ کر حیران رہ گیا۔ عرب نے اس سے پہلے یہ صورت کبھی نہیں دیکھی تھی۔ کفار اس خندق کی وجہ سے مسلمان لشکر کے قریب تو نہ آسکتے تھے، لیکن دور ہی دور سے دونوں کے درمیان تیروں اور پتھروں سے لڑائی ہوتی رہی۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور تدبیر سوچی اور کفار کے لشکر میں شامل مختلف قبائل کے درمیان انتشار پیدا کرنے کیلئے قبیلہ غطفان کے نعیم بن مسعود کو بھیجا۔ وہ تازہ مسلمان ہوئے تھے اور اُن کے اسلام کے بارے میں کفار کو پتا نہیں چلا تھا۔ نعیم بن مسعود کفار کے لشکر میں چلے گئے اور وہاں جا کر پہلے بنی قریظہ میں گئے اور ان سے کہا کہ تم نے قریش اور غطفان سے معاملہ کر کے محمدؐ سے عہد شکنی کی ہے جو اچھا نہیں ہوا۔ اب اگر یہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام تمام کیے بغیر یہاں لوٹ گئے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے لڑیں گے۔ اور تم میں محمدؐ سے تنہا لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ یہود نے کہا کہ اب اس کی کیا تدبیر ہے؟ نعیم بولے، تم اپنے حلیفوں کو کہلا بھیجو کہ وہ اپنے چند سردار یا اُن کی اولاد بہ

طور رہن ہمارے پاس چھوڑ دیں۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے لڑنے کو آئیں گے تو قریش اور قریظہ والے ضرور اپنے سرداروں کی حفاظت کی غرض سے تمہاری مدد کو آئیں گے۔ اگر وہ لوگ اس شرط کو منظور کر لیں تو سمجھنا کہ انھیں تمھارا خیال ہے، اگر نہ مانیں تو سمجھ لو کہ وہ تمھارے دوست نہیں ہیں۔

انھوں نے کہا کہ ہم ابھی یہ پیغام دیتے ہیں۔ پھر نعیم بن مسعود وہاں سے قریش کے پاس آئے اور انھیں اپنا خیر خواہ ظاہر کر کے ان سے کہا ہم سنا ہے کہ قریظہ والے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مل گئے ہیں اور محمدؐ نے انھیں کہلا بھیجا ہے کہ ہمارا دل اس وقت صاف ہوگا کہ جب تم قریش میں سے چند اشرافیہ ہمارے ہاتھ گرفتار کرا دو، لہٰذا انھوں نے اس کا وعدہ کر لیا ہے۔ اس لیے اگر بنی قریظہ تم سے چند آدمی طلب کریں تو انھیں بالکل نہ دینا۔

یہاں سے اٹھ کر نعیم بن مسعود غطفان کے قبیلے والوں کے پاس گئے اور انھیں بھی یہی کہا۔

جب بنی قریظہ کی جانب سے چند افراد رکھنے کا پیغام آیا تو قریش نے انکار کر دیا۔ اب ان قبیلوں کے درمیان بدگمانی پیدا ہوگئی اور آپس میں اچھا خاصا بگاڑ پیدا ہو گیا۔ اسی کیفیت میں کئی دن گزر گئے تو کسی کی آگے بڑھ کر خندق عبور کرنے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے کفار کے لشکر تیز اور سخت ہوا بھیجی جس سے ان کے خیمے اکھڑ گئے اور گھوڑے گھبرا کر بھاگنے لگے۔ ابوسفیان نے کہا کہ اب یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ اسی رات کفار کا لشکر واپس چلا گیا۔ سورۂ احزاب میں اسی غزوہ کا ذکر ہے۔

اس کے بعد غزوۂ بنی قریظہ ہوا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق کی فتح کے بعد واپس ہوئے تو اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ فوراً بنی قریظہ پر چڑھائی کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت لشکر روانہ کیا اور بنی قریظہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ انھوں نے گھبرا کر درخواست کی کہ ہم اس

طرح اترتے ہیں کہ سعد بن معاذ ہمارے لیے جو فیصلہ دیں، ہمیں منظور ہوگا۔ بنی قریظہ کا خیال تھا کہ چونکہ سعدؓ بن معاذ قبیل اوس سے ہیں اور قبیلہ اوس ہمارا حلیف ہے، اس لیے حضرت سعدؓ ہمارے ساتھ کچھ رعایت کریں گے۔ انھوں نے حکم دیا کہ ان کے مرد قتل کیے جائیں اور عورتیں لڑکے لونڈی غلام بنائے جائیں۔ ان کا مال و جائداد بھی ضبط کرلیا گیا۔

انھی دنوں ایک مال دار یہودی ابورافع کو حضرت عبداللہ بن عتیک نے چند انصاری ساتھیوں کے ساتھ مل کر قتل کیا تھا۔ وہ غزوۂ خندق کی ترغیب میں پیش پیش تھا۔

اس کے بعد **غزوۂ غسفان** ہوا جس میں **صلات الخوف** نازل ہوئی۔

اس کے بعد سریہ خبط ہوا۔ خبط، جھڑے ہوئے پتوں کو کہتے ہیں۔ صحابہؓ کرام نے بھوک کی شدت سے مجبور ہوکر درختوں کے جھڑے ہوئے پتے کھائے تھے، اس لیے اس لڑائی کا یہ نام پڑا۔ اس لڑائی کیلئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے پانچ روز کے فاصلے پر ساحل سمندر سے متصل ایک قبیلہ جہینہ سے مقابلے کیلئے حضرت ابوعبیدہؓ کو تین سو مہاجرین کے ساتھ بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ انعام دیا کہ ساحل کے ساتھ ہی عنبر مچھلی آگئی اور پھر صحابہ کرام نے استفادہ کیا۔

پردہ کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا۔

ہجرت کا چھٹا سال

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنی لحیان کی طرف گئے۔ انھیں مسلمانوں کے لشکر کا پتا چلا تو وہ پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں دو روز ٹھہرے، انھیں تلاش کیا، مگر وہ لوگ ہاتھ نہ آئے۔ دو دن بعد واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ وہاں سے بنی حنیفہ کے رئیس ثمامہ بن اثال کو پکڑ لایا گیا۔ ثمامہ گفتگو کے بعد مسلمان ہو گئے۔

ربیع الاول یا ربیع الثانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاشہ بن محصن کا چالیس ساتھیوں کے ساتھ غمر کی طرف بھیجا۔ وہاں کے لوگ ان کی خبر سن کر بھاگ گئے اور مسلمانوں کے ہاتھ دوسو اونٹ آئے۔

ذوالقعدہ میں ابو عبیدہ بن جراح کو ذی القصہ کی طرف بھیجا۔ یہ لوگ بھی بھاگ کھڑے ہوئے، صرف ایک شخص ہاتھ آیا جو مسلمان ہو گیا۔

سریہ زید بن حارثہ ہوا۔ انھیں جموم کی طرف روانہ کیا گیا۔ کچھ قیدی اور مویشی ہاتھ آئے۔ جمادی الاولیٰ میں زید بن حارثہ پندرہ آدمیوں کے ساتھ ''طرف'' کو روانہ کیے گئے۔ اس میں بیس اونٹ ہاتھ آئے۔ اس کے بعد زید ''عیص'' کی جانب بھیجے گئے۔

حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص بن ربیع قریش کا مالِ تجارت لیے ہوئے شام سے آ رہے تھے کہ راستے میں مسلمانوں کے لشکر نے ان سے مال لے لیا۔ وہ مدینہ آئے۔ وہاں حضرت زینبؓ کی پناہ لی اور مال واپس کرنے کی درخواست کی۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی اجازت سے یہ مال واپس کر دیا۔ انھوں نے مکہ آ کر سب امانتیں واپس کیں اور مسلمان ہو گئے۔

سریۂ عبدالرحمان بن عوف ماہ شعبان میں دومۃ الجندل کی طرف بھیجا گیا۔ وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد شوال میں سریہ کرز بن خالد فہری ہوا جو عرنیین کے مقابلے کیلئے بھیجا گیا تھا۔ اس میں بیس آدمی پکڑے گئے اور قتل کیے گئے۔

ذوالقعدہ میں حدیبیہ کا واقعہ ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ ادا کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے یہ خواب ذکر کیا۔ اصحابؓ تو مکہ جانے کیلئے بے تاب و بے قرار تھے۔ انھوں نے یہ خواب سن کر مکہ کے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ طیبہ سے مکہ کو روانہ ہوئے، یہاں تک کہ مکہ کے قریب پہنچ گئے۔ قریش کو جب

مسلمانوں کے قافلے کا پتا چلا تو وہ مکہ کے راستے میں آ گئے اور انھوں نے کہا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے اصحاب کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر ٹھہرے۔ یہاں مسلمانوں اور قریش کے درمیان اس بات پر صلح ہوئی کہ...

مسلمان اس سال چلے جائیں، اگلے سال آ کر عمر کریں

یہاں تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔

مسلمانوں کے حلیفوں سے قریش نہ لڑیں اور قریش کے حلیفوں سے مسلمان لڑائی نہ کریں۔ اس دوران آپس میں لڑائی نہیں کی جائے گی۔

اس معاہدے کی مدت دس سال طے ہوئی۔

غزوۂ غابہ ہوا جس کا دوسرا نام غزوۂ ذی قرد ہے۔ یہ ایک تالاب ہے اور غابہ مدینہ طیبہ کے قریب ایک مقام ہے۔ یہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اونٹ چر رہے تھے کہ عبدالرحمان فزاری راعی کو قتل کر کے اونٹ ہانک کر لے گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ آدمی لے کر اس طرف چلے۔ اس دن سلمہ بن اکوع نے بہت زبردست کام یہ کیا کہ دشمن کو ذی قرد تک بھگاتے چلے گئے اور پھر تمام اونٹ چھڑا لیے۔

صلح حدیبیہ کے تقریباً بیس روز بعد غزوۂ خیبر واقع ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر صبح کو پہنچے تو وہاں کے باشندے آلاتِ زراعت لے کر کھیتی باڑی جا رہے تھے۔ اسلامی لشکر کو دیکھ کر اپنے قلعوں میں گھس گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ یہ سات قلعے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ یہ ساتوں قلعے بہ تدریج فتح ہوتے چلے گئے۔ فتح کے بعد آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کو یہاں سے جلا وطن ہونے کا حکم دیا۔ اُن کے مال، زمین اور باغ ضبط کر لیے گئے۔ یہودیوں نے کہا کہ آپؐ کو

یہاں مزدوری کیلئے مزدوروں کی ضرورت پڑے گی، اگر آپ ہمیں جلاوطن نہ کریں تو ہم یہ کام کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات قبول کی اور فرمایا کہ جب تک ہم چاہیں گے، تمہیں رکھیں گے، جب چاہیں گے، نکال دیں گے۔ چنانچہ ان یہودیوں کو بٹائی کی خدمت پر رکھا گیا اور پیداوار میں سے نصف ان کیلئے مقرر کر دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں کہ جب جزیرۂ عرب کو کفار سے خالی کرانا منظور ہوا تو یہودیوں کو بھی یہاں سے نکال دیا گیا۔ وہ سب شام چلے گئے۔ خیبر کی لڑائی میں غنائم کے علاوہ حضرت دحیہؓ کے حصے میں حضرت صفیہ آئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہؓ سے آزاد کرا کے انھیں اپنے نکاح میں لے لیا۔

خیبر کے قریب ایک اور ضلع ''فدک'' تھا۔ وہاں کے لوگوں نے مسلمانوں سے یوں صلح مانگی کہ اپنی آدھی زمین مسلمانوں کو دے دیں گے اور آدمی خود رکھیں گے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔

خیبر سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی القریٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہاں کچھ یہود اور کچھ عرب تھے۔ جنگ کے بعد وہ بھی فتح ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں چار دن رہے۔ جب یہودِ تیما کو یہ خبریں پہنچیں تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی اور انھیں اُنھی کے اموال پر قابض رکھا۔

خیبر سے واپس آ کر سات ہجری تک کہیں نہیں گئے۔ البتہ اس دوران چند سرایا روانہ کیے جو یہ ہیں: سریہ ابی بکرؓ بہ جانب نجد بنی فزارہ کے مقابلے کیلئے؛ سریہ عمرؓ بہ جانب ہوازن؛ سریہ عبداللہؓ بن رواحہ بہ جانب بشیر بن دارام یہودی؛ سریہ بشیر بن سعد بہ جانب بنی مرہ؛ سریہ بہ جانب حرقات از قبیلہ جہینہ؛ سریہ غالب بن عبداللہ بہ جانب بنی الملوح بہ مقام کدید؛ سریہ بشیر بن سعد بہ جانب جماعت عینیہ از یمن وغطفان وعیان؛ سریہ ابی حدرد اسلمی؛ سریہ بہ جانب اضم؛ سریہ عبداللہ بن حذافہ سہمی۔

غزوۂ ذات الرقاع واقع ہوا۔ اس میں غطفان سے مقابلہ ہوا۔ اسے غزوۂ نجد اور غزوۂ بنی انمار بھی کہتے ہیں۔

اسی سال مدینہ میں قحط پڑا تو رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور بارش ہوئی۔

ہجرت کا ساتواں سال

ذوالقعدہ کے مہینے میں **عمرۃ القضاہ** ادا کیا گیا۔ صلح حدیبیہ میں یہ شرط ٹھہری تھی کہ اگلے سال آ کر عمرہ کریں گے۔ چنانچہ حکم فرمایا گیا کہ حدیبیہ میں جو ساتھ تھے، وہ ضرور چلیں گے۔ مکہ پہنچ کر عمرہ کیا۔ وہاں حضرت میمونہ بنت حارث سے نکاح فرمایا اور حسب شرط وہاں سے تین دن بعد واپس چل دیے۔ روانگی کے وقت حضرت حمزہؓ کی بچی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دوڑتی ہوئی آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خالہ جو حضرت حمزہؓ کے نکاح میں تھیں، کے سپرد کر دیا۔

ہجرت کا آٹھواں سال

غزوۂ موتہ جمادی الاولیٰ میں ہوا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قاصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک لے کر حاکم بصری کے پاس جا رہے تھے۔ راستے میں موتہ شہر کے حاکم شرجیل بن عمرو غسانی نے انھیں شہید کر ڈالا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تین ہزار کا لشکر بھیجا۔ اس لشکر کا امیر حضرت زید بن حارثہ کو بنایا اور فرمایا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب کو امیر بنایا جائے۔ اگر جعفرؓ شہید ہو جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ کو امیر بنائیں۔ وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان کو امیر بنالیا جائے۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ یہ صحابہ

کرام اسی ترتیب سے شہید ہوئے۔تب مسلمانوں کے لشکر نے حضرت خالدؓ بن ولید کو امیر مقرر کیا۔حضرت خالد کی سر بہ راہی میں اس لڑائی میں فتح ہوئی۔

غزوۂ ذات السلاسل جمادی الثانیہ میں ہوا۔یہ وادی القرا کے آگے ہے اور مدینہ منورہ سے دس دن کے فاصلے پر۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ قضاعہ کا ایک لشکر مدینہ کی طرف آنے کی تیاری کررہا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص کو تین سو آدمیوں کے ہم راہ اُس طرف روانہ کیا۔بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ دشمن کا مجمع زیادہ ہے تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح کی سر بہ راہی میں مزید دوسو افراد اس طرف روانہ کیے۔ان میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔یہ لوگ آگے بڑھتے چلے گئے اور کفار پیچھے ہٹتے گئے۔کچھ غنیم سے مسلمانوں نے حملہ کیا تو سارے بھاگ گئے۔اسلامی لشکر ایک پانی پر ٹھہرا تھا جس کا نام ''سلسل'' تھا۔اس لیے اس کا نام ''غزوۂ ذات السلاسل'' پڑا۔بعض ماہرین کہتے ہیں کہ سلاسل سلسلہ وار ریگ کو کہتے ہیں اور وہ زمین ایسی ہی تھی۔

بخاری شریف میں غزوہ ذات السلاسل سے پہلے **غزوۂ ذی الخلصہ** کا بھی ذکر ہے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جریر بن عبداللہ کو احمس کے ڈیڑھ سو سواروں کے ساتھ ایک مکان منہدم کرنے کو بھیجا تھا جسے کعبہ کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔یہ لوگ قبیلہ خشعم میں اہل یمن میں سے تھے۔

فتح مکہ ماہِ رمضان میں ہوا۔سیرت کے ماہر علما کہتے ہیں کہ جب صلح حدیبیہ ہوئی اور بہ ظاہر لگا کہ مسلمانوں نے دباؤ میں آکر کفار کی شرائط مانی ہیں، اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو ''فتح مبین'' یعنی کھلی فتح کی خوش خبری دی تھی۔لیکن، ظاہری اور عقلی اسباب دکھائی نہیں دیتے تھے۔البتہ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ اگر صلح حدیبیہ کا واقعہ نہ ہوتا تو شاید مکہ بھی فتح نہ ہوتا۔

اسلام کی غیر معمولی فتوحات کا سبب

ان تمام فتوحات کا سبب یہ ہوا کہ خزاعہ اور بنی بکر آپس میں لڑے۔ بنی خزاعہ صلح حدیبیہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھے جبکہ بنی بکر قریش کے عہد میں تھے۔ بنی بکر نے خزاعہ پر شب خون مارا اور قریش نے ان کی مدد کی۔ جب رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی بدعہدی کا پتا چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر لشکر کشی کا حکم دیا اور مہاجرین و انصار اور دیگر قبائل کے بارہ ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی طرف چل دیے۔ جب مکہ پہنچے تو اسلامی لشکر کو بلا کسی لڑائی کے فتح ہوئی۔ اگرچہ چند کفار مقابلے کیلئے آئے، لیکن وہ بھی زیادہ دیر ٹھہر نہ سکے اور بہت سے مکہ سے بھاگ نکلے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ آج ہر اس فرد کو امن دیا جائے گا جو اسلام قبول کر لے، اپنے گھر کے دروازے بند کر لے یا حاضر ہو جائے۔ کچھ لوگ مکہ چھوڑ کر فرار بھی ہو گئے۔ ان کے سوا چند کفار جو مقابلے کو آئے، انھیں قتل کیا گیا۔ اس روز تھوڑی دیر کیلئے حرم میں قتال کی اجازت دی گئی تھی۔

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں رکھے بتوں کو توڑ ڈالا۔ مکہ کے قرب و جوار میں جو بت تھے، انھیں توڑنے کیلئے صحابہ کے سرایا روانہ کیے۔ ان میں حضرت خالد بن ولید کو عزیٰ کو گرانے کیلئے جو قریش اور بنی کنانہ کا بت تھا، حضرت عمر بن عاص کو سواع کی طرف جو ہذیل ک ابت تھا، سعد بن زید اشہلی کو منات کی طرف جو اوس وخزرج و غسان کا بت تھا، روانہ کیا گیا۔

مکہ میں قیام کے دوران ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ بن ولید کو بنی خزیمہ کی طرف دعوتِ اسلام کیلئے بھیجا۔

فتح مکہ کے فوری بعد میں غزوۂ حنین ہوا۔ اسے غزوۂ اوطاس اور غزوۂ ہوازن بھی کہتے ہیں۔ مکہ اور طائف کے درمیان یہ دو موضع ہیں۔ قبیلہ بنی ہوازن والے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے قتال کیلئے آئے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار کا لشکر لے کر اُن کی طرف گئے۔ان میں دس ہزار مہاجرین اور انصار تھے، جبکہ دو ہزار نومسلم بھی ساتھ تھے۔ مسلمان چونکہ ابھی فتح مکہ کی خوشی میں تھے، اتنے بڑے لشکر کے ساتھ جب نکلے تو انھیں یہ زَعم ہو گیا کہ اب تو ہم زیادہ تعداد میں ہیں، لہٰذا فتح ہماری ہی ہو گی۔لیکن، اللہ کی سنت تو کچھ اور ہی ہے۔اسے مسلمانوں کو اپنی کثرت پر ناز کرنا شاید پسند نہیں آیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ ہوازن اور ثقیف کے پہلے ہی حملے میں مسلمانوں کی کچھ تعداد پیچھے کو بھاگ نکلی۔اسلامی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ایسے میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پائے استقامت کے ساتھ جمے رہے اور اپنے سفید خچر پر سوار اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب کے الفاظ کا نعرہ لگاتے ہوئے کفار کے سامنے ڈٹے رہے۔

اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو بلاؤ۔ انھیں پکارا گیا تو سب دوبارہ کفار کی طرف دوڑ پڑے۔قبیلہ بنی ہوازن اور بنی ثقیف اچانک واپسی حملے کی وجہ سے حواس باختہ ہو گئے اور مسلمانوں کا یہ حملہ برداشت نہ کر پائے۔یوں، جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔اس دوران اُن کا سرغنہ عثمان بن عبداللہ بھی قتل ہو گیا تو تمام لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے۔

غزوۂ حنین میں شکست کے بعد جو دشمن فوجی بھاگ نکلے تھے، وہ کچھ ''اوطاس'' میں جمع ہو گئے تو کچھ نے ''طائف'' کے قلعہ میں پناہ لی۔اس لیے، اب اسلامی لشکر کا اگلا ہدف اوطاس ہوا جس کیلئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں تھوڑی سی فوج "اوطاس" کی طرف بھیج دی۔یہاں بھی اسلامی لشکر کو لڑائی کے بعد فتح ہوئی۔قیدیوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضاعی بہن حضرت "شیما'' رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔یہ حضرت بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صاحبزادی تھیں۔جب مسلمانوں کو پتا چلا کہ وہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن ہیں تو

بڑے اکرام کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں لایا گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں دیکھا تو جوشِ محبت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں نم ہوگئیں اور آپ نے اپنی چادر مبارک زمین پر بچھا کر ان کو بٹھایا اور کچھ اونٹ کچھ بکریاں ان کو دے کر فرمایا کہ تم آزاد ہو۔ ان کی خواہش کے مطابق، انھیں عزت واحترام کے ساتھ واپس اُن کے قبیلے میں پہنچا دیا گیا۔

اب اگلا معرکہ غزوۂ طائف تھا۔ شوال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا۔ یہاں اوطاس سے بھاگے ہوئے چند لوگ بھی قلعے میں آ کر بند ہو گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کا محاصرہ کیا، لیکن بہ علم الٰہی وہاں سے اٹھ آئے، کیوں کہ اس کی فتح کا وقت نہیں آیا تھا۔ بعد میں یہ لوگ خود ہی مسلمان ہو گئے۔ وہاں 'لات' نامی بت تھا، جسے توڑا گیا۔

محرم میں عینیہ بن حصن فزاری کو بنی تمیم کی طرف پچاس سواروں کے ساتھ غزوۂ کیلئے بھیجا تو یہاں کی باسی مقابلے سے بھاگے۔ چند مرد اور عورتیں گرفتار ہوئے اور مدینہ لائے گئے۔ ان کے چند رؤسا اقرع بن حابس وغیر مدینہ آئے اور گفت وشنید کے بعد مسلمان ہوئے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خوب تحائف دیے۔

صفر میں حضرت قطبہ بن عامر کو خثعم کی طرف بھیجا گیا جہاں قتال بھی ہوا اور کچھ غنیمت لے کر مدینہ آئے۔ اسی سال آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے اور صاحب زادی حضرت زینب ؓ نے وفات پائی۔

ہجرت کا نواں سال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول میں ایک لشکر ضحاک بن سفیان کی ہم راہی میں بنی کلاب کی طرف بھیجا۔ کفار کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گئے۔ اس کے بعد ایک لشکر عبید اللہ بن حذافہ سہمی کے ساتھ روانہ کیا۔

اسی حضرت علیؓ کو قبیلہ طے کا بت خانہ تباہ کرنے کیلئے بھیجا۔ معروف حاتم طائی اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی تو بھاگ گئے، لیکن اُن کی قید کی گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی عزت افزائی فرمائی اور انھیں چھوڑ دیا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس گئیں اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی کے بارے میں بتایا تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اسلام قبول کرلیا۔

غزوۂ تبوک ماہ رجب میں ہوا۔ یہ شام کے قریب ایک علاقہ ہے۔ غزوۂ تبوک کو ''غزوۂ عسرت'' بھی کہتے ہیں، کیوں کہ اس کی تیاری تنگی کے دنوں میں ہوئی تھی۔ اس لڑائی کا سبب یہ بنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ روم کا بادشاہ ہرقل اسلامی سلطنت پر حملہ کرنے کا ارادہ کررہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ خود اس کی طرف لشکر لے جائیں۔ چنانچہ قبائل عرب کو کہلا بھیجا اور تیس ہزار افراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لشکر میں شریک ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موضع تبوک پہنچے اور قیام کیا تو ہرقل نے ڈر کی وجہ سے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برحق نبیؐ سمجھتا تھا، اِدھر کا رُخ نہ کیا۔ پھر اس علاقے کے اطراف میں کچھ چھوٹے لشکر بھیجے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ علاقہ دمۃ الجندل کے حاکم اکیدر کو گرفتار کر کے لائے۔ اس کیلئے کچھ جزیہ مقرر کیا گیا اور چھوڑ دیا گیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ دو مہینے یہاں رکنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے مشورے سے واپس مدینہ لوٹ آئے۔

مسجد ضرار کے انہدام کا واقعہ بھی اس کے بعد پیش آیا۔ قوم خزرج کا بڑا مفسد ابو عامر راہب کتابیں پڑھ کر نصرانی ہوگیا تھا۔ پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دیا کرتا تھا، لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حسد کی وجہ سے مسلمان نہ ہوا اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔ غزوۂ بدر میں مدینہ سے بھاگ کر قریش سے جا ملا اور غزوۂ احد کے بعد روم چلا گیا تاکہ بادشاہِ روم کو مدینہ پر لشکر کشی کیلئے

اکسائے۔ جب یہ تدابیر کار آمد نہ ہوئیں تو مدینہ کے منافقین کو پیغام بھیجا کہ ایک مسجد بنائیں جہاں مسلمانوں کے خلاف مشورہ کیا جائے گا۔ چنانچہ تبوک کے قریب ایک مسجد بنوائی گئی۔اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ایک مسجد بنوا چکے تھے۔نئی مسجد کی تعمیر کے بعد منافقین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہاں آ کر ایک نماز پڑھیں۔ گویا، مسجد کا افتتاح مقصود تھا اور رونق۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جہاد پر جا رہے تھے، اس لیے معذرت کرلی اور واپسی پر وہاں آنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ واپسی پر منافقین نے یاد کرایا تو اللہ تعالیٰ نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی نیت مطلع کر دیا اور یہ آیات نازل فرمائیں کہ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ (سورہ توبہ، 107)۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کی اس مسجد کو جلوا ڈالا۔

اسی سال حج فرض ہوا۔اس سال تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ وجہ حج کیلئے تشریف نہ لے جا سکے، بلکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحج مقرر کر کے بھیجا۔ اگلے برس یعنی دس ہجری میں خود حج کیلئے تشریف لے گئے۔

اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت ام کلثوم کا انتقال ہوا۔

دس ہجری

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کیلئے تشریف لے گئے۔ جب مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج پر جانے کی خبر ملی تو دور دراز سے مسلمان حج کیلئے جمع ہونا شروع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ روز اتوار دس ہجری کو مکہ پہنچے۔ جمعہ کے دن 9 ذی الحجہ منیٰ سے عرفات کو روانہ ہوئے۔ نمرہ میں کمبل کا ایک خیمہ نصب کیا گیا۔ وہاں قیام فرمایا۔ زوال کے وقت اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر میدان عرفات میں تشریف لائے اور اونٹنی پر ہی خطبہ ارشاد فرمایا۔ خطبے

میں ایسی باتیں فرمائیں جیسے کوئی الوداع کے وقت کرتا ہے۔اس لیے، اسے ”حجۃ الوداع“ کہا جاتا ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبے سے فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ (آیت 3) کی یہ آیت نازل فرمائی: الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کیلئے) پسند کر لیا۔

حج سے واپسی پر ایک مقام غدیر خم میں حضرت علیؓ سے محبت کا خطبہ تاکید فرمایا، کیوں کہ بعض لوگ جو یمن میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، انھوں نے ان کے بارے میں بے جا شکایتیں کی تھیں۔ مدینہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ و خدمت اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔

تکمیل دین کی آیت کے نزول کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں کل 80 دن رہے۔حضرت عبداللہؓ بن عمر سے روایت ہے کہ سورۂ نصر ایام تشریق کے وسط میں منیٰ کے مقام پر نازل ہوئی۔

ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے پردہ فرمایا۔(اس کی تفصیل آگے بیان کی گئی ہے۔)

وفود کا ذکر

خانہ کعبہ کی عظمت عرب کے دل میں بہت زیادہ تھی اور اصحابِ فیل کے واقعہ کو کچھ ہی عرصہ گزرا تھا۔لہٰذا، اہل عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ اہل باطل کعبہ پر قابض نہیں ہو سکتے۔ فتح مکہ کے بعد اہل عرب کو اس اسلام کی حقیقت کا علم ہوا اور وہ فوج دَر فوج اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ جو نئے قبائل اور قریات مسلمان ہوئے، وہ چند افراد ور سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلامی احکام سیکھنے کیلئے مدینہ بھیج دیتے۔آنے والے افراد کا یہ مجموعہ ''وفد'' کہلاتا۔ چونکہ نو ہجری میں خاصے وفد آئے، اس لیے اس سال کو''عام الوفود'' یعنی وفدوں کا سال بھی کہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنے والے وفدوں کی بہت عزت کرتے، خاطر تواضع کرتے اور انعام واکرام کے ساتھ رخصت کرتے۔قریش کے اسلام قبول کرنے سے بھی عام اہل عرب نرم ہوئے۔اکثر وفود غزوۂ تبوک کے بعد حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔

حکام کا تعین اور فرامین کی روانگی

فتح مکہ کے بعد چونکہ اسلامی حکومت خوب مستحکم ہوچکی تھی، اس لیے اب اسے منظم کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ جن علاقوں میں اسلام کا غلبہ ہوگیا، وہاں نظم ونسق درست چلانے کیلئے حکام اور اہل کار لازمی تھے۔ چنانچہ درج ذیل احباب کو مختلف علاقوں میں تعینات کیا: مہاجر بن ابی امیہ بن المغیرہ کو صنعا میں، زیاد بن لبید انصاری کو حضرموت پر، عدی کو طے اور بنی اسد پر، مالک بن نویرہ یربوعی کو بنی حنظلہ پر، زبرقان بن بدر کو بنی سعد کے بعض علاقوں پر، قیس بن عاصم کو بنی سعد کے دوسرے علاقوں پر، علا بن الحضرمی کو بحرین پر، حضرت علیؓ کو اہل نجران پر، عتاب بن اسید کو مکہ پر، معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کو یمن کا حاکم مقرر کیا گیا۔

مختلف سلاطین کو قبولِ اسلام کی دعوت کی غرض سے فرامین یعنی خطوط بھیجے گئے۔ مثلاً ہرقل شاہِ روم کو وحیہ بن خلیفہ کے ہاتھ نامۂ مبارک روانہ فرمایا، لیکن وہ ایمان نہ لایا۔ شاہِ ایران کسرا کو عبداللہ بن حذافہ سہمی کے ہاتھ نامہ مبارک بھجوایا گیا جو اس نے پھاڑ ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ پتا چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس وقت کے شاہِ حبشہ نجاشی کی طرف عمرو بن امیہ ضمری کو بھیجا۔ واضح رہے، یہ وہ نجاشی نہیں جو ہجرتِ حبشہ کے وقت تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی نمازِ جنازہ پڑھی تھی۔ شاہِ مصر مقوقس کو عاطب بن ابی بلتعہ کے ہاتھ فرمان بھیجا گیا جو ایمان نہیں لایا، مگر تحائف بھیجے۔ شاہِ بحرین منذر بن سادی کی طرف علا بن الحضرمی کو پیغام بھیجا۔ یہ مسلمان ہوگئے اور برسرحکومت رہے۔ شاہ عمان جیفر

بن جلندی اور عبد بن جلندی کو عمرو بن عاص کے ہاتھ دعوت بھیجی گئی۔ یہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ ہوذہ بن علی حاکم یمامہ کو سیلط بن عمرو عامری کے ہاتھ فرمان روانہ کیا گیا، لیکن وہ مسلمان نہیں ہوا۔ حاکم دمشق وغوطہ حارث بن ابی شمر غسانی کو شجاع بن وہب کے ہاتھ فرمان بھیجا گیا۔ جبلہ بن ایم غسانی کو شاجع بن وہب کے ذریعے پیغام بھیجا گیا۔

بعض حکم رانوں نے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خطوط بھیجے۔ اُن کے نام یہ ہیں:

حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال، نعمان حاکم ذورعین و معافر و ہمدان، زرعہ زویزن۔ یہ چاروں یمن کے ملوک تھے۔ سلطنت روم کی جانب سے فروہ بن عمرو عامل تھا، اپنے اسلام کی خبر قاصد کے ہاتھ بھیجی۔ اہل روم نے اول اسے قید کیا اور پھر قتل کرا دیا۔ کسرا کی جانب سے یمن کے صوبہ دار باذان نے اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ اسلام قبول کیا۔

رحمۃ للعالمینؐ کے اَخلاق و عادات

میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں جس نے ہماری طرف ایک رسولؐ بھیجا جو عربی، ہاشمی، مکی، مدنی، سردار امین، سچی خبریں دینے والے اور قریشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپؐ پر اور آپؐ کی آل و اصحاب پر کہ جو آپؐ کے محب خاص اور رازدار بہ اختصاص تھے، رحمت نازل فرمائے۔

علما ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل (خوبیاں، اوصاف، خصائص) جمع کرتے رہے ہیں اور انھوں نے اعتدال کا راستہ اختیار کیا۔ لیکن بعض نے اس قدر طوالت اختیار کی کہ دل اکتا جائے اور بعض نے بیان اتنا مختصر کر دیا کہ مطلب ہی سمجھ نہ آئے۔ مختلف مزاج کے لوگ ہیں، اس لیے بعض طوالت سے بھاگتے ہیں تو بعض کو طوالت سے فائدہ نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف، اوسط یا درمیانے درجے کی مقدار ہر شخص کے مزاج کے موافق ہوتی ہے۔ اس لیے میں نے ارادہ کیا کہ رحمت دو جہاں خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن اوصاف و مکارم اخلاق اور شمائل کو ایک مناسب اور متوسط، مگر جامع طور پر قلم بند کروں۔

چونکہ عاشق جب اپنے محبوب سے مل نہیں پاتا تو وہ محبوب کے نقش قدم اور ذکر ہی سے اپنے دل کو سمجھاتا ہے۔ نیز، محبوب کے حُسن و اوصاف کا تذکرہ کر کے ہی اپنا جی بہلاتا ہے۔ اسی کے ساتھ حصولِ ثواب اور نجات عذاب کی توقع رکھتا ہے۔ نیز، محبوب رب الارباب کی شفاعت کے علاوہ طالبین واحباب کی دعاؤں کی امید بھی رکھتا ہے۔ یہ امید اس لیے بھی ضروری ہے کہ خود میرے پاس کوئی اچھا عمل یا وسیلہ نہیں ہے۔ تمام عمر خطاؤں اور گناہوں

میں گزری۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل وفضائل اور مدائح کے تذکرے کا دامن تھاما ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے اور تمام مسلمانوں سے اسے قبول فرما لے۔ وہ اللہ رب العالمین ہی تمام تر تعریفوں کا مستحق ہے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کی ترتیب میں امام ترمذیؒ کی کتاب الشمائل اور قاضی عیاضؒ کی کتاب الشفا سے مدد لی گئی ہے۔ ان دونوں کتابوں سے ایسے مضامین منتخب کیے گئے جو قاری کو دوسری کتابوں سے بے نیاز کردیں اور جن سے مہجورِ مشتاق اپنے دل کو تسلی دے سکے۔

حضرت حسنؓ بن علیؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ دریافت کیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا ذکر بڑی کثرت سے کرتے تھے۔ میری خواہش تھی کہ وہ میرے سامنے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اوصاف ذکر کریں۔ انھوں نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی ذات میں) عظیم تھے اور (نظروں میں) معظم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چاند کی طرح چمکتا تھا۔ درمیانہ قد آدمی سے کچھ نکلتا ہوا قد تھا اور دراز قامت سے کم تھا۔ سر مبارک کچھ بڑا، مگر اعتدال میں تھا۔ سر کے بال قدرے لمبے اور سیدھے تھے۔ بالوں کو سیدھا کرتے تو خود ہی مانگ نکل آتی تو مانگ نکلی رہنے دیتے، ورنہ نہیں۔ ابتدائے اسلام میں یہ معمول تھا، لیکن بعد میں ارادۃً مانگ نکالتے۔ جب اپنے سر کے بال بڑھاتے تو وہ کانوں سے نیچے تک چلے جاتے تھے۔

رنگ مبارک سفید چمک دار اور پُرکشش تھا۔ پیشانی کچھ چوڑی تھی۔ ابرو خم دار بالوں سے بھری ہوئی تھیں اور آپس میں ملی ہوئی نہ تھیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصے کے وقت نمایاں ہوجاتی تھی۔ بینی؟ بلند تھی جس پر ایک نور نمایاں تھا۔ داڑھی مبارک بھری ہوئی، پتلی اور خوب سیاہ تھی۔ رخسار مبارک (گال) سبک تھے۔ منہ اعتدال کے

ساتھ فراخ تھا۔ دندانِ مبارک (دانت) کچھ باریک تھے جن میں ذرا ریخیں تھیں۔

سینے سے ناف تک بالوں کا باریک خط تھا۔ گردن مبارک ایسی خوب صورت تھی، گویا تصویر کی گروں؟ خوب صورت تراشی جاتی ہے۔ صفائی میں چاندی جیسی تھی۔

بدن جسامت میں معتدل اور پُر گوشت تھا۔ پیٹ اور سینہ مبارک ہم وار تھا۔ البتہ سینہ قدرے ابھرا ہوا تھا۔ شانوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا۔ جوڑوں کی ہڈیاں کچھ بڑی تھیں۔ جسم روشن تھا۔ سینے اور ناف کے درمیان بالوں کی ایک لکیر سی چلی جاتی تھی۔ البتہ دونوں بازوؤں، کندھوں اور سینے کے بالائی حصے پر مناسب مقدار میں بال تھے۔ کلائیاں دراز تھیں۔ ہتھیلیاں فراخ تھیں۔ کفوں اور قدموں پر گوشت تھا۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیاں لمبی (بلند) تھیں۔ اعصاب برابر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے قدرے گہرے تھے (کہ چلنے سے زمین پر نہ لگتے تھے)۔ قدم مبارک ایسے ہم وار اور صاف تھے کہ پانی اُن پر سے بالکل ڈھل جاتا (یعنی میل کچیل وغیرہ سے بھی پاک تھے)۔

جب چلنے کیلئے پاؤں اٹھاتے تو قوت سے اٹھاتے۔ قدم ایسے رکھتے کہ آگے کو جھکنا پڑتا۔ تواضع کے ساتھ چلتے تھے۔ چلنے میں ایسا معلوم ہوتا کہ کسی بلندی سے پستی کی طرف اتر رہے ہیں۔

کسی جانب کی کوئی شے دیکھنی ہوتی تو پورا رخ پھیر کر دیکھتے، یعنی کنکھیوں سے دیکھنے سے گریز کرتے۔ نگاہ زیادہ تر نیچی رکھتے۔ چنانچہ آسمان کی طرف دیکھنے کی بہ نسبت زیادہ وقت زمین کی طرف نگاہ رہتی۔ نہایت حیا کی وجہ سے پوری نگاہ بھر کر نہ دیکھتے۔

چلتے ہوئے اپنے صحابہ کرامؓ کو آگے کر دیتے۔ جس سے ملتے، پہلے خود سلام کرتے۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلا ضرورت بات نہ کرتے۔ زیادہ تر خاموش رہتے۔ ہر وقت

آخرت کے غم میں رہتے اور آخرت کے بارے میں سوچتے رہتے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی لمحہ چین نہ آتا۔

گفتگو کرتے تو الفاظ واضح ہوتے اور بات اول سے آخر تک صاف ہوتی۔کلام جامع ہوتا، یعنی الفاظ مختصر ہوں مگر بات پوری سمجھ آجائے۔جو بات کرتے، حق و باطل میں فیصلہ کن ہوتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرم مزاج تھے۔مزاج میں سختی نہ تھی۔مخاطب سے تذلیل نہ کرتے۔

اگر کوئی شے کم مقدار میں بھی ہوتی تو اسے کم تر نہ سمجھتے، بلکہ اس کی بھی تعظیم فرماتے۔ کسی نعمت کی مذمت نہ کرتے۔البتہ کھانے پینے کی چیزوں کی تعریف کرتے اور نہ مذمت فرماتے تھے۔

اگر کسی حق بات کی کوئی مخالفت کرتا تو اُس وقت غصہ بہت زیادہ فرماتے، جب تک اس پر حق غالب نہ فرما دیتے۔البتہ کبھی اپنی ذات کیلئے غصہ نہ کرتے۔غصے کے دوران اُدھر سے چہرہ پھیر لیتے اور کروٹ بدل لیتے۔جبکہ خوش ہوتے تو نظر نیچی کر لیتے۔

گفتگو کرتے ہوئے کسی جانب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ کرتے۔کسی معاملے پر حیرت کا اظہار فرماتے تو ہاتھ کو لوٹتے۔جب بات کرتے تو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو بائیں ہتھیلی سے ملاتے یعنی اس پر مارتے۔جب کوئی بات سنتے تو اس وقت چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ہوتی اور اس میں دندانِ مبارک ظاہر ہوتے تو ایسا لگتا کہ بارش کے اولے ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم اوقات اور طرزِ معاشرت

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے اوقات کو تین بنیادی حصوں میں تقسیم فرماتے۔

ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے، دوسرا گھر والوں کیلئے اور تیسرا حصہ اپنے لیے (اپنی ذاتی راحت و آرام کیلئے)۔ پھر، اپنے اوقات میں بھی بہت سا وقت خلق خدا کیلئے مختص کر دیتے۔ پھر اس میں سے بھی کچھ وقت خاص احباب کیلئے مخصوص تھا، یعنی عام افراد تو نہیں ملتے تھے، مگر قریبی اور خواص احباب حاضر ہوتے اور دین کی باتیں سن کر عوام کو پہنچاتے۔ یوں، عام لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھاتے۔ لوگوں سے کچھ نہ چھپاتے، بلکہ انھیں دینی اور دنیاوی نفع والی ہر شے بتا دیتے۔ اہل علم کو دیگر سے زیادہ ترجیح دیتے۔ اگر کسی کو کوئی ضرورت ہوتی تو اسے دیتے یا اس کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرتے۔ ان لوگوں کو ایسے مشاغل میں لگاتے کہ اُن کے علاوہ باقی امت کی اصلاح بھی ہو۔ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے تو اُن کے حسب حال انھیں مشورہ دیتے۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ جو تم میں حاضر ہے، وہ غیر حاضر کو بھی خبر کر دے۔ نیز، جو شخص کسی وجہ سے مجھ تک اپنی ضرورت نہ بتا سکے تو تم لوگ اس کی حاجت مجھ تک پہنچایا کرو۔ کیوں کہ جو شخص ایسے آدمی کی حاجت کسی با اختیار تک پہنچائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے پل صراط پر ثابت قدم رکھے گا۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اسی طرح کی باتیں کی جاتی تھیں۔ ان کے خلاف ہوں تو انھیں رَد کر دیا جاتا۔ یعنی ایسی باتیں جن سے لوگوں کا فائدہ ہو، موضوعِ گفتگو ہوتیں، مگر جن سے کوئی فائدہ نہ ہوتا، وہ باتیں نہ کی جاتیں۔ گفتگو میں تالیف قلب بھی کرتے اور احساسات کا خیال رکھتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو آتا، وہ کچھ نہ کچھ کھا کر واپس ہوتا، یعنی آنے والے مہمان کی تواضع بھی کرتے تھے۔

آنے والوں کے احساسات کا خیال رکھتے تھے۔ ان میں کوئی تفریق نہ کرتے۔ ہر برادری اور ہر قوم کی عزت کرتے۔ اگر کوئی فسادی کسی قسم کی سازش اور شرارت کرتا تو اُس کے شر سے بھی بچنے کی کوشش کرتے تھے۔

کسی سے ملنے میں خوش اخلاقی اور خوش نودی میں کمی نہ کرتے تھے۔ اپنے والوں کی حالت کا خیال رکھتے تھے۔ لوگوں میں جو واقعات ہوتے تھے، انھیں پوچھتے رہتے تھے تاکہ مظلوم کی مدد ہو اور فساد کا خاتمہ ہو۔ اچھی بات کی تعریف و تحسین فرماتے جبکہ بری بات کی تحقیر اور تنقیص فرماتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل توازن کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس میں بے انتظامی نہیں پائی جاتی تھی۔ ہر حالت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک خاص انتظام ہوتا تھا۔ لوگوں کی تعلیم کا بہت زیادہ خیال فرماتے تھے۔ اس بات کا خیال رہتا کہ اگر لوگوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا گیا تو بعضے دین سے غافل ہو جائیں گے اور بعض دینی امور میں اعتدال سے زیادہ لگ جائیں گے اور پھر اکتا جائیں گے۔

حق سے بھی بے توجہی نہ کرتے اور ناحق کی طرف نہ بڑھتے۔ لوگوں میں سے آپ کے مقرب بہترین ہوتے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عموماً سب سے افضل وہ ہوتا جو سب کا خیر خواہ ہوتا۔ سب سے بڑا رتبہ اُس شخص کا ہوتا جو لوگوں کی غم خواری کرتا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنا اور اٹھنا سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتا۔ اپنے لیے بیٹھنے کی کوئی خاص جگہ مقرر نہ فرماتے۔ دوسروں کو بھی ایک مخصوص جگہ متعین کرنے سے منع فرماتے۔ جب کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ ملتی، وہیں تشریف رکھتے۔ دوسروں کو بھی یہی حکم فرماتے۔

جب مجمع سے خطاب کرتے تو تمام حاضرین پر توجہ فرماتے، یہاں تک کہ ہر شریک یہ سمجھتا کہ مجھ سے زیادہ کسی پر متوجہ نہیں ہیں۔

جو شخص اپنی ضرورت کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر بیٹھتا یا کھڑا ہوتا تو جب وہ شخص خود نہ ہٹ جاتا، اس کی طرف سے نہ ہٹتے۔ یعنی اسی کی طرف متوجہ رہتے۔ کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی کوئی ضرورت پوری کرنے کی درخواست کرتا تو اس کی حاجت

پوری کرتے یا نرمی سے جواب دیتے۔ اسے واپس نہ کرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کشادہ روئی سب کیلئے عام تھی۔ سب سے انتہائی خوش اخلاقی سے ملتے تھے۔ تمام لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حق میں برابر تھے۔ البتہ، تقوا کے اعتبار سے بعض کو بعض پر ترجیح دیتے اور زیادہ احترام فرماتے تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق، حق میں سب ہی برابر تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس حلم، علم اور حیا کی مجلس ہوا کرتی تھی۔ صبر اور امانت کی محفل ہوتی تھی۔ اس میں آوازیں بلند نہ کی جاتی تھیں۔ کسی کی حرمت پر کوئی داغ نہ لگایا جاتا تھا۔ کسی کی غلطیوں کی تشہیر نہ کی جاتی تھی۔ ایک دوسرے کی جانب انتہائی تواضع اور عاجزی سے ملتے تھے۔ چھوٹوں پر شفقت کرتے تھے اور ضرورت کے طالب کی مدد کرتے تھے۔ غریب وطن پر رحم کرتے تھے، یعنی پردیسی کا خاص خیال رکھتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت خوش اخلاقی سے ملتے تھے اور نہایت نرم اخلاق تھے۔ آسانی سے ہم آہنگ ہوجاتے تھے۔ سختی کرتے تھے اور نہ سخت زبان اختیار کرتے تھے۔ کسی کا عیب بیان کرتے اور نہ کسی کی مبالغہ آرائی کے ساتھ تعریف کرتے۔ کسی کی کوئی بات (خاص کر کوئی خواہش) اگر طبیعت کے خلاف ہوتی تو اس پر توجہ نہ فرماتے، یعنی اس پر گرفت بھی نہ کرتے اور اسے کچھ نہ کہتے بلکہ خاموش رہتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو تین چیزوں سے بچا کر رکھا تھا۔ اول، بہت زیادہ گفتگو سے؛ دوم، بے فائدہ بات سے؛ سوم، دکھاوے سے۔ تین چیزوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو بچا کر رکھا تھا۔ اول، کسی کی مذمت نہ فرماتے؛ دوم، کسی کو شرم نہ دلاتے؛ سوم، کسی کا عیب نہ تلاش کرتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہی بات کرتے جس سے ثواب کی امید ہوتی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو تمام صحابہ اس طرح بیٹھ جاتے جیسے اُن کے سر پر کوئی پرندہ بیٹھا ہے۔

گویا،سب کے سر جھکے ہوئے ہوتے۔ یہ انتہائی احترام کی علامت ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوتے ،تب وہ بولتے۔ سب کی بات کو پوری توجہ سے اور برابر توجہ سے سنتے۔ کسی کی طرف سے بے توجہی نہ کی جاتی۔ جس بات پر سب خوش ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوش ہوتے۔ جس بات پر سب حیرانی کا اظہار کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تعجب کا اظہار کرتے، یعنی اپنے ہم مجلسوں کے ساتھ شریک حال رہتے۔

اگر کوئی اجنبی یا پردیسی بدتمیزی کرتا (مثلاً بدو جنھیں آدابِ واطوار کا پتا نہ ہوتا تھا) تو اس پر صبر کرتے۔ کسی کی کوئی ضرورت ہوتی تو انتہائی حد تک اس کی وہ ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی ضرورت مند کو اپنی ضرورت پوری کرنے کیلئے مدد طلب کرتے دیکھو تو اس کی مدد کرو۔

اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتا تو اسے پسند نہ فرماتے۔ البتہ کسی پر احسان کرتے اور وہ احسان کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرتا تو حد میں رہتے ہوئے اسے پسند فرماتے۔ کیوں کہ احسان پر شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

کسی بات اس کی گفتگو کے درمیان میں نہ کاٹتے، کجا یہ کہ وہ حد سے گزرنے لگتا تو روک دیتے یا خود اٹھ کر چلے جاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی چار طرح کی تھی۔ انداز کی رعایت، فکر، حلم اور بیدار مغزی۔ انداز کی رعایت تو اس طرح فرماتے کہ حاضرین کی طرف نظر کرنے میں اُن کی عرض معروض سننے میں برابری فرماتے۔ فکر کرتے تو دنیا کے فانی ہونے اور آخرت کے باقی رہنے کی کرتے۔ حلم میں صبر اور ضبط جمع کر دیا گیا تھا۔ جبکہ بیدار مغزی میں بھی چار چیزیں ہوا کرتی تھیں۔ اول، نیک بات اختیار کرنا؛ دوسرے، بری باتوں کو ترک کرنا؛ تیسرے، اپنے رائے اُن امور میں صرف کرنا جو امت کیلئے مفید ہوں؛ چوتھے، امت کیلئے اُن کاموں کا اہتمام کرنا جو اُن کیلئے دنیا اور آخرت دونوں ہی کیلئے فائدہ مند ہوں۔

آں حضورؐ کا حُسن و جمال

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا و رسل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ خوش آواز اور خوش شکل تخلیق فرمایا تھا۔ ان سب سے حسن و جمال میں بلند ترین ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن میں وہ نور تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح کوئی اُن پر عاشق نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عجب طرح کی غیرتِ الٰہی محیط رہتی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک چمکتا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پتلی نہایت سیاہ تھی۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں جن میں سرخ ڈورے تھے۔ پلکیں دراز تھیں۔ دونوں ابرووٴں کے درمیان کشادگی تھی۔ ابرو خم دار تھی۔ بینی مبارک بلند تھی۔ دندان مبارک میں کچھ ریخیں تھیں، یعنی اوپر تلے جڑے ہوئے نہ تھے۔ چہرۂ مبارک گول تھا جیسے چاند کا ٹکڑا۔ داڑھی گنجان تھی کہ سینہ مبارک کو بھر دیتی تھی۔ پیٹ اور سینہ ہم وار تھے۔ سینہ چوڑا تھا۔ دونوں کندھے بڑے تھے۔ ہڈیاں بھاری تھیں۔ دونوں کلائیاں اور بازو بھرے ہوئے تھے۔ دونوں کف دست اور قدم کشادہ تھے۔ سینے سے ناف تک بالوں کا ایک باریک خط تھا۔

قدم مبارک درمیانہ تھے۔ بہت زیادہ بڑے اور نہ چھوٹے۔ چلتے تو رفتار تیز ہوتی کہ کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ رہ سکتا۔ قد نسبتاً طویل تھا، لیکن اس میں بھی توازن تھا کہ دیکھنے میں قدرے بڑے قد کے دکھائی دیتے تھے۔ بال قدرے بل دار تھے۔

جب ہنستے میں دانت مبارک ظاہر ہوتے تو یوں لگتا کہ برق کی روشنی نمودار ہوئی ہے یا برف کے اولے۔ جب گفتگو فرماتے تو سامنے والے دانتوں کے بیچ سے نور نکلتا ہوا محسوس ہوتا۔ گردن مبارک نہایت مناسب تھی۔ چہرۂ مبارک پھولا ہوا تھا اور نہ گول تھا۔ بدن گٹھا

ہوا تھا۔ گوشت ہلکا تھا۔ آنکھوں میں سفیدی کے ساتھ سرخی تھی۔ جوڑ بند بڑے تھے۔

جب زمین پر پاؤں رکھتے تو پورا رکھتے تھے۔ تلوے میں زیادہ گہرائی نہ تھی۔

شمائل ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کف دست اور دونوں قدم گوشت سے پُر تھے۔ سر مبارک نسبتاً بڑا تھا۔ جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں۔ قد مبارک لمبا تھا اور نہ چھوٹا تھا کہ یوں لگے کہ بدن کے اعضا ایک دوسرے میں دھنسے ہوئے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر یک گونہ گولائی تھی۔ رنگ گورا تھا اور اس میں سرخی دکھتی تھی۔ آنکھیں سیاہ تھیں۔ مژگانیں لمبی تھیں۔ کندھے اور ان کی ہڈیاں بڑی تھیں۔ بدن پر بال نہ تھے، البتہ سینے سے ناف تک بالوں کی باریک دھاری تھی۔

جب کسی سمت میں کوئی شے دیکھنا چاہتے تو پورے پھر کر دیکھتے۔

دونوں کندھوں کے درمیان ''مہر نبوت'' تھی جس سے پتا چلتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دہن مبارک (منہ) اعتدال کے ساتھ فراخ تھا۔ ایڑیوں کا گوشت ہلکا تھا۔ آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر کرو تو یوں سمجھو کہ آنکھوں میں سرمہ پڑا ہے، حالانکہ سرمہ نہ ہوتا تھا۔

حضرت ابوالطفیل لیثی کے مطابق، نبی صلی اللہ علیہ وسلم گورے، ملیح، میانہ قد تھے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قامت، خوش اندام، جبکہ گندمی رنگت رکھتے تھے۔ سر کے بال لمبے تھے جو کانوں تک آتے تھے۔ بال کچھ بل دار تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی چالیس برس کی عمر میں نبوت عطا فرمائی۔ نبوت ملنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزید تیرہ برس مکہ میں رہے۔ پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں دس برس رہے۔ تریسٹھ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ اتنی عمر کے

باجود داڑھی اور سر میں بیس سے زیادہ بال سفید نہ تھے۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ صرف سترہ بال سفید تھے۔

مہر نبوت کے بارے میں، حضرت جابر بن سمرہ کے مطابق، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کے درمیان میں ایک سرخ لکیر اور ابھرا ہوا گوشت تھا جو کبوتر کے انڈے کا سا تھا۔ حضرت سائب بن یزید کے مطابق، وہ بہ مثل چھپر کھٹ (مسہری) کی گھنڈی کے تھی۔ عمرو بن اخطب انصاری کے بہ قول، مہر نبوت کچھ بال تھے۔ حضرت ابوسعیدؓ خدری کے مطابق، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک پر گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا تھا۔ ایک روایت کے مطابق، یہ مٹھی کی سی تھی اور اس کے گرد تل تھے جیسے مسے ہوتے ہیں۔

حضرت براؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرخ مخطط لنگی پہنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے کسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔ گویا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں آفتاب چمک رہا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے تو دیواروں پر چمک پڑتی۔ حضرت جابرؓ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک سورج اور چاند کی طرح مدور؟؟؟ تھا۔ حضرت ام معبدؓ نے کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دور سے سب سے زیادہ جمیل اور قریب سے سب سے زیادہ شیریں اور حسین معلوم ہوتے تھے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی مرتبہ دیکھتا تھا، وہ مرعوب ہو جاتا تھا۔ پہلے سے جاننے والا جو فرد ملتا تھا، وہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا تھا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا صاحب جمال وکمال نہ آپؐ سے پہلے کسی کو دیکھا اور نہ آپ کے بعد کسی کو دیکھا۔

وصل چہارم:

حضرت انسؓ کا فرمایا ہے کہ میں نے کوئی عنبر، کوئی مشک اور کوئی خوش بودار شے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک سے زیادہ خوش بودار نہیں دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کسی سے مصافحہ فرماتے تو تمام دن اس شخص کو مصافحہ کی خوش بو آتی رہتی۔ کبھی کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ خوش بو کی وجہ سے دوسرے لڑکوں میں پہچانا جاتا۔ ایک مرتبہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انسؓ کے گھر سوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینا آیا تو حضرت انسؓ کی والدہ نے ایک شیشی لی اور اس میں یہ پسینا جمع کرلیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں جب اُن سے پوچھا تو انھوں نے عرض کیا کہ ہم اس پسینے کو اپنی خوشبو میں ملالیں گے اور یہ پسینا اعلا درجے کی خوشبو ہے۔ امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر میں حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس راستے سے گزرتے اور کوئی شخص آپؐ کی تلاش میں نکلتا تو وہ خوش بو سے پہچان لیتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے گزرے ہیں۔

راویوں نے لکھا ہے کہ یہ خوش بو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے بدن سے تھی، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خوش بو لگائے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ (یہ الگ باب ہے کہ الگ سے آپؐ کون سی خوش بوئیں استعمال کرتے تھے۔) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے ساتھ پیچھے سواری پر بٹھالیا۔ میں نے مہر نبوت کو اپنے منھ میں لے لیا۔ اس میں سے مشک کی لپٹ آرہی تھی۔ حضرت عائشہؓ سے یہ مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلا جاتے تھے تو زمین پھٹ جاتی اور اس جگہ نہایت پاکیزہ خوش بو آتی۔ اسی لیے جمہور علما آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بول و براز کے پاک ہونے کے قائل ہیں۔

غزوۂ احد کے موقع پر حضرت مالک بن سنان آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کا خون چوس کر پی گئے تھے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''اسے کبھی دوزخ کی آگ نہیں لگے گی۔'' اسی طرح، حضرت عبداللہ بن زبیر نے وہ خون جو آپ صلی اللہ علیہ کے پچھنے لگانے سے نکلا تھا، پی لیا۔ انھیں ایسا معلوم ہوا جیسے میٹھا پانی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صاف جنا؛ کوئی آلودگی آپؐ کے لگی ہوئی نہ تھی۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر آنول نال کے پیدا ہوئے (جیسا کہ بچے آنول نال کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اور پیدائش کے وقت اسے کاٹا جاتا ہے)۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرمہ بھی لگا ہوا تھا۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونے میں حدث سے محفوظ تھے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے تو وضو نہ ٹوٹتا تھا۔

قوتِ بصر بصیرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ عقل میں تمام انسانوں سے بہتر اور ارفع تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم تاریکی میں بھی ایسا ہی دیکھتے تھے جیسے عام انسان روشنی میں دیکھ پاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دور سے بھی ایسا ہی دیکھ سکتے تھے جیسا قریب سے دیکھتے تھے۔ نیز، پیچھے سے بھی ایسا ہی دیکھ سکتے تھے جیسا سامنے سے دیکھتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ حبشہ نجاشی کا جنازہ دیکھ لیا تھا اور اُن پر نمازِ جنازہ پڑھی تھی۔ ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کو مکہ معظّمہ ہی سے دیکھ لیا تھا۔ جب معراج پر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو اس کا نقشہ بیان فرمایا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ کی تعمیر شروع کی تو اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ نظر آجایا کرتا تھا۔اسی طرح، ثریا میں گیارہ ستارے نظر آیا کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو، کھانا پینا، سونا وغیرہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو میں مٹھاس ہوتی تھی اور بات واضح فرمایا کرتے

تھے۔کم بات کیا کرتے تھے۔ضروری بات کرتے تھے۔گفتگو ایسی ہوتی تھی کہ گویا، دانے پروئے گئے ہوں۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے اور سوتے بہت کم تھے۔ کھاتے ہوئے ٹیک نہیں لگاتے تھے۔ کھاتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست ایسی ہوتی گویا، کوئی کھڑا ہونے کیلئے تیار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، میں غلام کی طرح کھاتا ہوں اور غلام کی طرح بیٹھتا ہوں۔

جسمانی قوت وطاقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی قوت بھی بے انتہا تھی۔ علما نے لکھا ہے کہ ایک نبی کی جسمانی قوت چالیس آدمیوں کی قوت سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس زمانے میں رکانہ نام کا ایک پہلوان بہت مشہور ہوا کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فوری پچھاڑ دیا تھا۔ ہوا یوں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسلام کی دعوت دی تو رکانہ نے کہا کہ اگر آپؐ مجھے مقابلے میں ہرا دیں تو میں اسلام قبول کرلوں گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقابلے میں رکانہ کو پے در پے تین مرتبہ پچھاڑ دیا تو انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم بہت کوشش کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل سکیں، لیکن ہم تھک جاتے تھے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز چلنے کی خاص کوشش بھی نہیں کرتے تھے۔ جب کسی چیز کو دیکھتے تو اس کی طرف پورا رخ ہوتا تھا (یعنی صرف آنکھیں موڑ کر یا کنکھیوں سے نہ دیکھتے تھے)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تیس مردوں کی قوت عطا کی گئی تھی۔ ایک اور روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس مردوں کی قوت دی گئی تھی۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”مجھے دیگر لوگوں پر چار چیزوں پر فضیلت دی گئی ہے... سخاوت، شجاعت،

قوت مردی اور مقابل اور غلبہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے بھی صاحب وجاہت تھے اور بعد میں بھی۔ حضرت قیلہؓ سے روایت ہے کہ جب انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کانپنے لگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے غریب، اپنے دل کو قرار دے (یعنی ڈرو نہیں)۔ ایسے ہی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رو بہ رو حضرت عقبہؓ بن عمرو کھڑے ہوئے تو خوف سے کانپنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، طبیعت پر آسانی پیدا کرو۔ میں کوئی جابر بادشاہ نہیں ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روئے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں (عالم کشف) عطا کی گئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمام حجاز، یمن، تمام جزیرۂ عرب اور نواحِ شام و عراق فتح ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صدقات اور خمس و عشر حاضر کیے جاتے تھے، سلاطین ہدایا پیش کرتے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں دوسروں کو عطا کر دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مجھے اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ احد پہاڑ میرے لیے سونا بن جائے اور پھر رات کو اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہے، سوائے اس دینار کے جو کسی درست مطالبے کیلئے تھاموں۔'' یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمالِ سخاوت ہے۔ اس کمالِ سخاوت کے باعث آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مقروض رہتے تھے۔ حتیٰ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو اُس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ اہل و عیال کے اخراجات میں رہن رکھی ہوئی تھی۔ اپنے ذاتی اخراجات، رہائش اور لباس وغیرہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت بہ قدرِ ضرورت خرچ کیا کرتے تھے۔ زیادہ تر کمبل، موٹا کھیس اور گاڑھی چادر ہی پہنا کرتے تھے۔ اس کے برخلاف، اپنے اصحاب کو دیبا (ایک قیمتی کپڑا) کی چادریں تقسیم فرمایا دیا کرتے تھے۔ ان قباؤں میں سونے کی تاریں لگی ہوتی تھیں۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق قرآن تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قرآن میں خوشی کی بات سے خوش ہوتے اور اُس میں ناخوشی کے تذکرے سے ناخوش ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل فطرت میں پورے مکارم اخلاق اور متانت طبع اور اعتدال کے ساتھ پیدا فرمایا تھا۔

حضرت آمنہ بنت ذہب کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے تو دونوں ہاتھ زمین کی طرف کھلے ہوئے تھے اور سر آسمان کے طرف اٹھائے ہوئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت وعزت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا: جب میں نے ہوش سنبھالا تو بتوں اور شعروں سے مجھے نفرت تھی۔ مجھے کبھی امر جاہلیت کا خیال نہ آیا۔

اَخلاقِ جمیلہ اور طرزِ معاشرت

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی بہادر دیکھا ہے اور ہ مضبوط، اور نہ فیاض، اور نہ دیگر اخلاق کے اعتبار سے پسندیدہ دیکھا ہے۔'' یہ بات حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمائی۔ ''ہم غزوۂ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ میں پناہ لیتے تھے۔ جو شخص جتنا زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک رہتا، وہ اتنا ہی بہادر سمجھا جاتا تھا۔''

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شرم وحیا میں کسی کنواری لڑکی سے بھی بڑھ کر تھے۔ نہایت لطیف اور نرم انداز تھے۔ کسی کو ناگوار بات نہ فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ عادتاً سخت بات کرنے والے تھے اور نہ بہ تکلف سخت گوئی فرماتے تھے۔ بازار میں بھی وقار کا خیال رکھتے تھے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے

تھے بلکہ معاف کر دیتے تھے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ انتہائی حیا کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کسی کے چہرے پر زیادہ دیر نہ ٹھہرتی تھی (آنکھوں میں آنکھیں نہ ڈالتے تھے)۔کسی نامناسب شے کا ذکر اگر کرنا پڑتا تو اشاروں میں فرماتے۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر کشادہ قلب تھے۔طبیعت کے نرم تھے۔ معاشرت میں نہایت کریم تھے۔ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کرتا، اسے منظور فرماتے۔ پھر ہدیہ کا بدل بھی دیتے تھے۔اس ضمن میں،کوئی فرق نہ کرتے۔غلام اور آزاد سب کی دعوت قبول فرماتے۔

مدینہ کی بہت دور فاصلے پر بھی اگر کوئی مریض ہوتا تو اس کی عیادت فرماتے۔

معذرت کرنے والے کا عذر قبول فرماتے۔ ملتے تو ابتدا مصافحے سے کرتے۔کبھی اپنے اصحاب کے درمیان پاؤں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھے گئے کہ دوسروں کو جگہ تنگ ہو جائے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا، اس کی خاطر کرتے اور بعض اوقات اپنا کپڑا اُس کے بیٹھنے کیلئے بچھا دیتے۔اپنے گدا اور تکیہ بھی اس کیلئے پیش کر دیتے۔

کسی شخص کی بات بیچ میں نہ کاٹتے۔ گفتگو کے دوران مسکرانے اور خوش مزاجی کے اظہار میں سب سے بڑھ کر تھے۔سوائے وحی کے نزول کے وقت اور وعظ کے دوران (کیوں کہ اس وقت حالت سختی یا جوش کی ہوتی ہے)۔

بعض اوقات سفیروں (ایلچی) کی خدمت خود کرتے۔جیسے نجاشی بادشاہ کے فرستادے آئے تو اُن کیلئے خود اٹھ کھڑے ہوئے۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن تمام انسانوں کے سردار ہوں گے۔روزِ قیامت سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک شق ہوگی۔سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر تواضع بہت زیادہ تھی، حتیٰ کہ گدھے پر بھی سواری کی۔ کبھی اپنے پیچھے کسی کو بٹھلا لیتے۔ غریبوں کی مدد کرتے اور محتاجوں کے ساتھ بیٹھتے۔

اپنے کپڑے میں خود جوں دیکھ لیتے۔ اپنی بکری کا دودھ خود ہی دوہ لیتے تھے۔ اپنے کپڑے میں خود پیوند لگاتے تھے۔ اپنی جوتی بھی خود سی لیا کرتے تھے۔ اپنا اور گھر والوں کا کام کیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر، گھر میں جھاڑو لگا لیا کرتے تھے۔ خدمت گار کے ساتھ کھانا کھا لیتے تھے۔ آٹا گندھوا لیتے تھے۔ سودا بازار سے لے آیا کرتے تھے۔ سب سے بڑھ کر احسان کرنے والے اور عدل کرنے والے تھے۔ ہمیشہ سچ بولتے تھے۔ حتیٰ کہ ابوجہل بن ہشام اس کے باوجود کہ اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی دشمن تھا، جب اس سے اخنس بن شریق نے غزوۂ بدر کے دن تنہائی میں پوچھا کہ اے ابوالحکم، بتاؤ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں یا جھوٹے ہیں تو ابوجہل نے کہا، واللہ، محمدؐ سچے ہیں۔ محمدؐ نے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ایذا دینے کے معاملے میں سب سے زیادہ صابر اور حلیم تھے۔ برائی کرنے والے کو معاف کر دیتے تھے اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے برا سلوک کرتا تھا، اس سے اچھا سلوک کرتے تھے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہ دیتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بھی دیتے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کرتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے معاف کر دیتے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کام کے دو پہلوؤں میں سے جو آسان ہوتا، اسے اختیار فرماتے، بہ شرط یہ کہ وہ گناہ نہ ہو۔ اپنے متبعین کیلئے بھی آسانی پیدا کرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کیلئے کبھی انتقام نہیں لیا۔ حتیٰ کہ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے غزوۂ احد کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر چلایا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنے کے چار دانتوں میں سے دائیں جانب نیچے کا دانت جھڑ گیا اور چہرۂ مبارک زخمی ہوا۔ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ ان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بددعا کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے اللہ، میری قوم کو ہدایت دیجیے، کیوں کہ انھیں خبر نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کچھ مانگا گیا تو دینے سے انکار نہیں کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمزوروں کا سامان اٹھا لیتے تھے اور غریب آدمی کو مال دیتے تھے۔ مہمان کی مہمان نوازی کرتے تھے اور حق معاملات میں تعاون کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کہیں سے ایک ہزار درہم آ گئے۔ انھیں ایک بوریے پر رکھا گیا۔ جو سائل بھی آیا، اسے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا اور تمام رقم ختم کر کے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کچھ مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس تو اب کچھ بھی نہیں بچا جو تمہیں دے سکوں۔ لیکن، تم اپنی ضرورت کی چیز میرے نام سے لے لو، جب میرے پاس رقم آئے گی تو میں اس کی قیمت ادا کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ جو چیز آپ ؐ کی قدرت میں نہ ہو، حق تعالیٰ نے آپ ؐ کو اس کا مکلف تو نہیں کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات پسند نہیں فرمائی۔ اس کے بعد ایک انصاری صحابیؓ اٹھے اور انھوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خوب خرچ کیجیے اور مالک عرش سے کمی کا اندیشہ نہ کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرا دیے اور چہرۂ مبارک پر خوشی ظاہر ہوئی۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگلے دن کیلئے کوئی شے اٹھا کر نہ رکھتے تھے۔ حضرت انسؓ نے حضرت عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر میں تیز موسلا دھار بارش سے بھی زیادہ فیاض تھے۔

مجلس کے آداب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں سب سے باوقار ہوتے۔ جب مجلس میں بیٹھتے تو

دونوں پاؤں کھڑے کر کے انھیں ملا کر اُن کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا کر بیٹھتے۔نشست کی اس حالت کو''احتبا'' کہتے ہیں اور تواضع اور سادگی کی ایک شکل ہے۔آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چال سے لگتا تھا کہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر تنگی ہے کہ گھبرائے ہوئے چلیں اور نہ طبیعت میں سستی ہے کہ پاؤں نہ اٹھتا ہو۔غرض، نہ بہت تیز رفتار تھے اور نہ بہت سست چلتے تھے۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں نہایت وضاحت ہوتی تھی اور اس طرح کلام فرماتے تھے کہ اگر کوئی سننے والا ان الفاظ کو شمار کرنا چاہے تو کر سکتا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خوش بو اور خوش بو والی چیز کو بہت زیادہ پسند فرماتے اور کثرت سے اس کا استعمال کرتے۔دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے۔

کھانے کی چیزوں میں پھونک نہیں مارتے تھے۔انگلیوں اور ہڈیوں کے جوڑوں کے صاف رکھنے کو پسند فرماتے تھے (کیوں کہ ان جگہوں پر میل بہ آسانی جمع ہو جاتا ہے)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی متواتر تین روز بھی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا۔ یہاں تک کہ آخرت کو روانہ ہو گئے۔حضرت حفصہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار پائی پر آرام فرماتے جو کھجوروں کے بان سے بنی ہوئی ہوتی، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو مبارک پر اس کا نشان پڑ جاتا۔

معاشی تنگی کا اختیار کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ کبھی غذا سے نہیں بھرا، لیکن کبھی کسی سے اس کا شکوہ نہیں کیا۔فاقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیٹ بھرنے سے زیادہ پسند تھا۔اکثر، دن بھر بھوکے گزار دیتے اور رات کو بھوک سے کروٹیں بدلتے۔آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو اللہ تعالیٰ سے روئے زمین کے تمام خزانے اور اس کی پیداوار اور اس کی فراخی مانگ لیتے۔

لیکن، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دنیا سے کیا تعلق، میرے اولوالعزم پیغمبر بھائیوں نے اس سے زیادہ سخت حالت پر صبر کیا اور اپنی اسی حالت پر گزرے۔

آں حضورؐ کا خوفِ خدا اور مجاہدہ

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے تمام انسانوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کاش، میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر نفل پڑھتے تھے کہ قدموں پر ورم آجاتا۔ اس پر اللہ عزوجل نے رحمت کی خاطر یہ فرمایا: طه۔ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى یعنی ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم تکلیف اُٹھاؤ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو سینہ مبارک میں ہنڈیا کا سا جوش ہوتا تھا۔ (جیسے ہانڈی میں پانی ابلنے لگے تو مخصوص آواز آتی ہے، ایسے ہی آہ وزاری کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے آواز آتی تھی۔)

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت مغموم رہتے تھے۔ کسی وقت چین نہ تھا۔ (یہ کیفیت فکرِ آخرت کی وجہ سے تھی۔) دن بھر میں ستر بار یا سو بار استغفار کیا کرتے تھے۔ مصنف کا گمان ہے کہ یا تو یہ امت کی تعلیم کیلئے تھا یا پھر خود امت کیلئے مغفرت طلب کیا کرتے تھے۔

آں حضورؐ کی طبیعت کی پاکیزگی اور عاجزی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت حلیم تھے۔ کسی کو سخت بات نہیں کہتے تھے۔ کسی کو اپنی ذات کیلئے بد دعا نہیں دی۔ قریب میں جانے کیلئے گدھے پر سواری کرتے تھے اور دور جانے کیلئے اونٹنی استعمال کرتے تھے۔ لڑائی کیلئے خچر پر اور کسی کی مدد کو جانا ہوتو گھوڑے پر تشریف لے جاتے تاکہ جلد از جلد وہاں پہنچ سکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حالات

کیلئے گدھے کی سواری اس لیے اختیار کی کہ اس میں عاجزی کا اظہار ہے جو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی نمایاں وصف ہے۔ البتہ، چونکہ دورانِ جنگ استقامت کی ضرورت سب سے زیادہ ہوتی ہے، وہاں ایسی سواری کی ضرورت تھی جو تیز نہ بھاگ پائے، لہٰذا خچر کا انتخاب کیا گیا۔ ایسے ہی سفر میں مشقت اٹھانے والے جانور کی ضرورت ہوتی ہے تو اونٹ کا انتخاب کیا۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کافر اور دشمن کی بھی تالیف قلب کرتے اور اس کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آتے۔ جاہل کی بے تمیزی پر صبر فرماتے۔ گھر میں ہوتے تو گھر کے کام میں شریک ہو جاتے۔ چادر اوڑھنے میں بہت اہتمام کرتے تاکہ اس میں سے ہاتھ پاؤں کچھ ظاہر نہ ہو۔ (غالباً یہ بیٹھنے کی حالت میں ہوتا ہوگا۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش اخلاقی اور انصاف سب کیلئے عام تھا۔ غصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے تاب نہیں کرتا تھا۔ کوئی بات اپنے جلیسوں سے دل میں نہ رکھتے تھے۔ آنکھوں کی خیانت بالکل نہ تھی تو قلب کی خیانت کا کیا امکان ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبیرہ گناہوں اور صغیرہ گناہوں، دونوں سے محفوظ تھے۔ چنانچہ کسی بھی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ خلافی یا حق سے معمولی سا اختلاف بھی ممکن نہیں تھا۔

آں حضورؐ کی آرائش کا انداز

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس روز مکہ تشریف لائے ہیں (فتح مکہ کے موقع پر) اُس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال چار حصے ہو رہے تھے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا میں اپنے بالوں کو بے مانگ نکالے، جمع کیا کرتے تھے۔ پھر مانگ نکالنے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک دن چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کنگھی کیا کرتے تھے۔

حضرت انسؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو بتایا

گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خضاب کی حد تک پہنچے ہی نہ تھے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال اتنے سفید ہوئے ہی نہ تھے کہ خضاب لگانے کی ضرورت ہو)۔ البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مہندی اور نیل کا خضاب کیا ہے، یعنی ایسی ترکیب کہ بال سیاہ نہ ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بال سفید تو نہ ہوئے تھے، مگر بعض سرخ ہو گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عقیل کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک (بال) حضرت انسؓ کے پاس دیکھا جس پر خضاب ہوا تھا۔ (واضح رہے، اُس زمانے میں خضاب آج کل کے خضاب یا ہیئر کلرز کی طرح نہیں ہوتا تھا۔ سید عرفان)

ان تمام متفرق روایات کی روشنی میں محققین نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال پکنے تو لگے تھے، مگر بہت کم پکے تھے۔ لہٰذا، بعض سرخ ہوں گے تو بعض سفید۔ لیکن، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ارادۃً خضاب نہیں لگایا۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ اکثر بالوں پر مہندی رکھ دیتے تھے (جیسے آج کل لوگ گرمی سے بچاؤ کیلئے مہندی سر پر رکھتے ہیں۔) اس وجہ سے وہ بال رنگین ہو جاتے ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے ہر آنکھ میں تین تین سلائی سرمے کی ڈالتے تھے۔ سفید رنگ کے کپڑے کو زیادہ پسند کرتے تھے اور لباس میں کرتا پسند تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کی آستینیں گٹوں تک ہوتی تھیں۔

چادروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یمانی چادر پسند فرماتے تھے۔ کبھی اون کی سیاہ چادر بھی پہنتے تھے۔ ایک دفعہ تنگ آستین کا رومی جبہ بھی پہنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ سادہ چرمی موزے بھی پہنے ہیں اور اُن پر وضو کے دوران مسح بھی فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی (نعلین) کی انگلیوں میں پہننے کے دو تسمے تھے (ایک انگوٹھے اور سبابہ کے درمیان میں، ایک وسطی اور اس کی پاس والی کے درمیان میں)۔ پشت کا تسمہ بھی دہرا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالوں سے صاف کیے ہوئے چمڑے کی جوتی پہنتے تھے۔ وضو

کر کے ان میں پاؤں بھی رکھتے تھے۔ کبھی کبھی گٹھے ہوئے نعلین میں نماز بھی پڑھ لیتے تھے (کیوں کہ وہ پاک ہوتے تھے)۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی، جس سے مہر لگایا کرتے تھے۔ اسے اہتمام کے ساتھ مستقل نہ پہنتے تھے۔ حضرت انسؓ کے مطابق، اس کا نگینہ حبشہ کا تھا۔ یہ ملک حبشہ کا ایک پتھر تھا یا پھر اُس کا رنگ حبشیوں کا سا تھا (یعنی سیاہ) اور وہ مہرۂ یمانی یا عقیق تھا۔ اُن سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نگیں چاندی کا تھا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ میری رائے میں، یہاں نگیں سے مراد خانۂ نگیں ہے جس میں نگیں رکھا جاتا ہے جیسا کہ بعض لوگ بنوا لیتے ہیں۔ اس انگوٹھی میں یہ منقش تھا: محمد رسول اللہ۔ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ بیت الخلاف جاتے تو اتار دیتے۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار قبیلہ بنی حنیفہ کی ساخت کی تھی۔ اس کی موٹھ کی گھنڈی یعنی جس جگہ سے تلوار پکڑتے ہیں، اس کے سرے پر جو روک ہوتی ہے، چاندی کی تھی۔

غزوۂ احد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو زرہیں پہنے ہوئے تھے اور فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''خود'' (آہنی کلاہ) پہنے ہوئے تھے۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اسے دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑ دیتے۔ کتب سیرت سے ثابت ہے کہ عمامے کا شملہ کبھی کندھوں کے درمیان چھوڑتے تو کبھی بغیر شملہ کے عمامہ باندھتے۔ نیز، کبھی عمامہ کے بغیر کلاہ اور کبھی عمامہ بغیر کلاہ کے پہنتے۔ ایک عمامہ سیاہ بھی تھا۔

اپنی لنگی نصف پنڈلی تک باندھتے تھے، البتہ اجازت اس سے نیچے تک دی ہے (اگرچہ ٹخنوں سے نیچے نہیں ہونی چاہیے)۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے تو گھٹنوں کے گرد ہاتھوں کا حلقہ بنا لیتے۔ مسجد میں لیٹتے تو ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھ کر چت لیٹتے۔

حضرت جابرؓ بن سمرہ سے روایت ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں کروٹ پر تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے دیکھا۔ حضرت انسؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک قطری کپڑا بغل کے نیچے سے نکال کر کندھے پر ڈال رکھا تھا اور لوگوں کو اسی طرح نماز پڑھائی۔

آں حضورؐ کے تناول کا انداز

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا کھاتے تو تینوں انگلیوں کو چاٹ لیتے تھے۔ تین انگلیوں سے کھاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میں تو تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی چوکی (میز) پر کھانا نہیں کھایا، نہ کبھی تشتری میں کھایا، بلکہ دستر خوان پر کھاتے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرکہ، روغن زیتون، کدو، شہد اور دیگر میٹھی چیزوں کو بہت پسند فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغ، سرخاب، بکری، اونٹ اور گائے کا گوشت کھایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثرید (روٹی کو توڑ کر شوربے میں بھگو کر تیار کی جاتی ہے) پسند تھی، البتہ چپاتی نہیں کھائی۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مصالحے اور مرچ بھی کھاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَدھ پکی کھجور، چھوہارا، چقندر اور "حیس" (کھجور، پنیر اور گھی کا مالیدہ) بھی کھائے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھرچن اچھی لگتی تھی۔ ککڑی کو کھجور کے ساتھ کھاتے تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق، تربوز کھجور کے ساتھ کھاتے اور فرماتے کہ کھجور کی گرمی کا تربوز کی سردی سے تدارک ہو جاتا ہے۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کو بھگو کر اس کا زلال، دودھ اور پانی سب ایک ہی پیالے میں پیا کرتے تھے۔ یہ پیالہ لکڑی کا موٹا سا بنا ہوا تھا اور اس میں لوہے کے پترے لگے ہوئے تھے۔ پانی عموماً بیٹھ کر پیا کرتے تھے، لیکن زم زم کا پانی کھڑے ہو کر پیا

ہے۔عمر بن شعیب نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے جد سے نقل کیا ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے اور بیٹھے دونوں طرح پانی پیتے دیکھتا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے تھے تو درمیان میں دو بار سانس لیتے تھے۔امام بخاریؒ نے اتنا زیادہ کیا ہے کہ یا تین بار سانس لیتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دودھ کے سوا کوئی شے ایسی نہیں جو کھانے اور پینے دونوں کا کام دے سکے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر سونے کیلئے لیٹتے تو دائیں کروٹ پر لیٹتے اور اپنا دایاں ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے اور بایاں ہاتھ اپنی ران پر۔سوتے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خراٹے سنے جاتے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا۔اس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہؓ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ایک کمبل تھا جسے ہم دہرا کر دیا کرتے تھے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماروں کی عیادت فرمایا کرتے تھے، جنازے میں شرکتے فرماتے تھے اور دراز گوش؟؟ پر سواری کرلیا کرتے تھے۔غلام تک کی دعوت قبول کرتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر بیٹھ جایا کرتے تھے۔اپنی بکری کا دودھ خود نکالا کرتے تھے۔فرماتے تھے کہ اگر بکری کا دست کھلانے کیلئے میری دعوت کی جائے تو میں منظور کروں گا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرانے پالاں؟؟ پر حج کیا ہے۔اس پالان پر ایک چادر تھی جس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی۔اس کے باوجود یہ دعا کرتے رہتے تھے کہ اے اللہ، اس حج کو ایسا مبرور حج بنایئے جس میں نمائش اور شہرت کا مقصد نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے

تھے اوراس کے بدلے میں کچھ دیتے بھی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ مجھ پر ایک مرتبہ تیس رات دن ایسے گزرے کہ میرے پاس کھانے کی کوئی چیز نہ تھی کہ جسے کوئی جان دار کھا سکے، سوائے اس معمولی سی مقدار کے جو بلالؓ کے بغل میں آجاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کبھی گوشت روٹی کی قسم سے صبح یا شام کا کھانا جمع نہیں ہوا سوائے اس کے کھانے والے کھانے سے زیادہ ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، ''کھانے کی برکت اس میں ہے کہ آدمی کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھوئے۔''

آں حضورؐ کی نیند

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں، اور میرا دل نہیں سوتا۔ یہ بھی فرمایا کہ میں شب اس حالت میں بسر کرتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے نسیان نہیں ہوتا، لیکن نسیان کرایا جاتا ہے (تا کہ اس کے متعلق احکام اور سنتیں بتائی جاسکیں)۔ یہ بھی فرمایا کہ میں اپنی پشت کی جانب ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسے لوگ سامنے کی جانب دیکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دل سے بیدار رہتے۔ اس بیداری کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فجر کی نماز قضا نہ ہوتی۔ سوائے چند ایک بار کے کہ اس کا مقصد بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کو قضا کا حکم ظاہر کرنا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں کروٹ سوتے تھے۔ سوتے ہوئے دایاں ہاتھ اپنے گال کے نیچے ہوتا جبکہ بایاں ہاتھ اپنی ران پر رکھ لیتے۔

آں حضورؐ کا مزاح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح بھی فرمایا ہے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ میں خوش طبعی تو کرتا ہوں، مگر اس میں بات سچ کہتا ہوں۔ مثال کے طور پر، ایک اعرابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ ضرورت کیلئے اونٹنی مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ میں تمہیں اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ اعرابی سمجھا کہ چھوٹا بچہ مراد ہے، لہٰذا وہ بولا کہ میں اونٹنی کے بچے پر سواری کیسے کروں گا؟ تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا، اس کا مفہوم یہ تھا کہ بالغ اونٹنی بھی تو اپنی ماں کا بچہ ہی ہوتی ہے۔

ایسے ہی ایک بڑھیا سے کہا کہ جنت میں بوڑھے نہیں جائیں گے۔ وہ بے چاری پریشان ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کیا کہ وہاں سب بوڑھوں کو جوان کردیا جائے گا۔ یعنی وہ جنت میں جاتے وقت بوڑھی نہیں ہوگی، جوان کردی جائے گی۔

آں حضورؐ کی بشری تکالیف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے انسانوں کی طرح تکالیف جھیلی ہیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثواب اور درجہ زیادہ سے زیادہ ہو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرمی سردی کا اثر بھی ہوا، بھوک پیاس بھی لگی، مختلف مواقع پر غصہ بھی آیا۔ نیز، خستگی اور ماندگی بھی ہوتی تھی۔ کمزوری اور ضعف بھی۔ سواری پر سے گر کر خراش بھی آئی۔ غزوۂ احد کے دوران کفا کے ہاتھ سے چہرۂ مبارک اور سر پر زخم بھی آیا۔ دندانِ مبارک بھی شہید ہوئے۔ طائف کے سفر کے دوران کفار نے پتھر مارے تو قدم مبارک سے خون بھی نکلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر بھی دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو بھی کرنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا علاج بھی کرایا، پچھنے لگوائے (حجامہ)، قرآنی

عملیات بھی کیے ...اور اس دنیا سے اپنا وقت پورا کر کے عالم بالا کو چلے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے مواقع پر دشمنوں کی خطرناک تدابیر سے محفوظ رکھا۔

اول غزوۂ احد کے دوران بدر بن قمہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر چلایا اور اس پتھر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخسار زخمی ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خود کے دو آہنی حلقے رخسار میں گھس گئے، تب بھی اللہ تعالیٰ نے بچایا۔

دوم جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور کی طرف تشریف لے گئے تو اُس وقت قریش کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا۔

سوم غورث بن حارث کی تلوار کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رکھا

چہارم ابو جہل کے پتھر سے بچایا

پنجم ہجرتِ مدینہ کے سفر کے دوران سراقہ بن مالک کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا

ششم لبید بن اعصم کے سحر کے اثر سے محفوظ رکھا

ہفتم یہودی عورت کے زہر کے اثر سے ہلاکت سے محفوظ رکھا

حفاظت کی حکمت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف کا اظہار ہو، جب کہ تکلیف کی حکمت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثواب بڑھے۔ نیز، اگر یہ تکلیف نہ ہوتی تو یہ بھی خدشہ تھا کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر انسان سمجھ کر الوہیت کے شبے میں نہ پڑ جاتے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں ہوا (کہ اُن کے پیرو خاص عجائب کی وجہ سے گم راہی میں مبتلا ہو گئے)۔

آں حضورؐ کی روح پر عوارض کا اثر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن عوارض اور تکالیف میں مبتلا ہوتے تھے، وہ صرف آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکی جسم پر اثر انداز ہوتے تھے۔ جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کا معاملہ ہے، وہ تعلق بالخلق سے منزہ مقدس اور مشاہدۂ حق میں مشغول تھا۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر آن، ہر لحظہ، اللہ ہی کے ساتھ، اللہ ہی کے واسطے، اللہ ہی میں مستغرق اور اللہ ہی کی معیت میں تھے۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا پینا، حرکت و سکون، گویائی اور خاموشی... سب اللہ ہی کیلئے اور اللہ ہی کے حکم سے تھا۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے، آیت یعنی ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نفسانی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ وحی ہی ہے جو آپؐ پر نازل کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کی آل و اصحاب پر قیامت تک مرحمت کاملہ نازل فرماتا ہے۔

آں حضرتؐ کے معجزات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے بارے میں اگر صحیح نظر سے کام لیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اتنے ہیں کہ انھیں تحریر کرنا مشکل ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول، ہر فعل، ہر حال اپنے اسرار و رموز کے اعتبار سے خارقِ عادت ہے۔ ظاہر ہے، اقوال و افعال اور احوال کے تمام جزئیات کا احاطہ عمومی طور پر ممکن نہیں ہے۔ ہم نے صرف اُن معجزات کا ذکر ہی مناسب سمجھا جو ظاہری نظر میں اور عام آدمی کیلئے اہم ہیں۔ ایسے معجزات بھی دس ہزار سے کم نہیں ہیں۔ سات ہزار سات سو معجزات پر تو خود قرآن اپنی بلاغت کے اعتبار سے مشتمل ہے۔ (قطع نظر اُس کی غیب کی خبروں کے)

قاضی عیاض نے فرمایا کہ کلام اللہ میں جتنے کلام کے برابر سورۃ الکوثر ایک معجزہ ہے۔ سورہ الکوثر میں دس کلمات ہیں۔ پورے قرآن کریم میں ستتر ہزار سے کچھ زائد کلمات ہیں۔ چنانچہ جب ستتر ہزار کو دس پر تقسیم کریں تو سات ہزار سات سو کا عدد حاصل ہوتا ہے۔۔ پس، کلام اللہ میں سات ہزار سات سو معجزات ہیں۔

اس کے علاوہ محدثین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معجزات لکھے ہیں، وہ تین ہزار کے قریب ہیں۔ تاہم، اس کتاب کے اختصار کے باعث ہم نے ہر طرح کے دو سے چار معجزات ذکر کیے ہیں۔

اول، عالم معانی میں قرآن مجید اپنی بلاغت اور غیب کی خبروں کے حوالے سے۔

دوم، وہ خبریں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے بتا دیں یعنی پیشین گوئی کر دی۔ صحیحین میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

وعظ میں جتنے امور قیامت تک ہونے والے تھے، وہ سب بیان فرمادیے۔ جس نے یاد رکھا، اسے یاد رہے اور بھول گئے جو بھول گئے۔

تیسرے، وہ حال کے واقعات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر دیکھے بیان فرمادیے۔ مثلاً بخاریؒ نے انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ موتہ کے موقع پر حضرت زیدؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کی خبر پہلے ہی سنادی تھی۔

چوتھے، عالم ملائکہ کے حالات۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ غزوۂ کے دوران ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا کہ اچانک اُس نے ایک کوڑے کی آواز سنی اور پھر کسی کی آواز بلند ہوئی کہ اے خیروم بڑھ؟؟؟ وہ مسلمان کیا دیکھتا ہے کہ اس کے آگے جو مشرک دوڑے جارہا تھا، وہ چت پڑا ہے۔ اس کی ناک ٹوٹ گئی ہے اور منہ پھٹ گیا ہے۔ فرشتے کے کوڑے مارنے سے یہ جگہ سبز ہوگئی۔ اس انصاری مسلمان نے یہ واقعہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔ یہ تیسرے آسمان سے مدد کا فرشتہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کیلئے اکثر فرشتوں کو بھیجا۔ چنانچہ غزواتِ بدر، احد اور حنین میں فرشتوں نے خاص کر مدد کی۔

پانچویں، عمار بن یاسر سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حمزہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے جبرئیل علیہ السلام اُن کی اصلی شکل میں دکھلا دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دیکھ نہ سکو گے۔ انھوں نے اصرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئے۔ حضرت جبریل کعبہ پر اترے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ سے کہا کہ اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھو۔ جب انھوں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو حضرت جبریل علیہ السلام کا جسم زبرجد (سبز زمرد) کی مانند تھا۔ دیکھتے ہی غش کھا کر گر گئے۔

چھٹا، عالم انسان میں ظہورِ ہدایت۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ میں اپنی مشرک والدہ کو ہدایت کیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے انھیں اسلام قبول کرنے کو کہا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نازیبا کلمات کہے۔ مجھے بہت برا لگا اور میں روتا ہوا آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ وہ میری ماں کی ہدایت کیلئے دعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

اللھم اھد ام ابی اھریرۃ کہ یا اللہ، ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت عطا فرما۔

میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا سن کر خوش ہوتا ہوا اپنے گھر آیا۔ دیکھا کہ دروازہ بند ہے۔ میری ماں نے میرے قدموں کی آواز سن کر اندر سے کہا کہ وہیں ٹھہرو۔ کچھ دیر میں میری ماں نے دروازہ کھولا اور کہا، اے ابو ہریرہ اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمد عبدہ ورسولہ۔ میں خوش کر شدتِ خوشی سے روتا ہوا پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آیا اور اپنی والدہ کے قبولِ اسلام کی خبر دی۔

ساتواں، ظہورِ برکت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنظلہ بن حذیم کے سر پر ہاتھ رکھ کر ان کے حق میں برکت کی دعا کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی آدمی کے منہ میں یا بکری کے تھن میں ورم ہوتا تو وہ ورم والی جگہ حنظلہ کے سر پر لگا دیتا تو وہ ورم جاتا رہتا۔

آٹھواں، مرض سے شفا۔ جب حضرت حبیب بن فدیک کے والد کی آنکھوں میں پھلی پڑ گئی اور وہ بالکل نابینا ہو گئے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی آنکھوں پر دَم کیا۔ اسی وقت اُن کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ان کے والد کو اَسّی برس کی عمر میں بھی سوئی میں دھاگا ڈالتے دیکھا ہے۔

نواں، بے ادبوں پر قہر۔ ایک شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سیدھے ہاتھ سے کھانا کھانے کا فرمایا۔ اس نے کہا کہ میں سیدھے ہاتھ سے کھانا نہیں کھا سکتا، حالانکہ اس کا

سیدھا ہاتھ ٹھیک تھا۔اس نے یہ غلط بیانی کی تھی۔ برائے استنکاف؟؟ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،تو سیدھے ہاتھ سے نہ کھا سکے گا۔اس کا حال ایسا ہی ہو گیا کہ سیدھا ہاتھ کام سے جاتا رہا اور اُس کے منھ تک نہ پہنچ سکتا تھا۔

دسواں، جنوں کا جہاں۔ خطیبؓ بن جابر کہتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔ راستے میں ایک گاؤں تھا۔ وہاں کے لوگوں کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد خبر ملی تو وہ گاؤں سے باہر نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنے لگے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ یہاں ایک عورت ہے جس پر ایک جن عاشق ہو گیا ہے۔ چنانچہ وہ عورت نہ کھاتی ہے، نہ پیتی ہے۔ قریب ہے کہ ہلاک ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو بلا کر فرمایا کہ اے جن، تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں۔ میں محمدؐ، رسولِ خدا ہوں، اس عورت کو چھوڑ دے اور چلا جا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرماتے ہی وہ عورت ہوشیار ہو گئی اور نقاب منھ پر کھینچ لیا۔ وہ بالکل صحیح ہو گئی۔

گیارھواں۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ان کے ایک برتن میں کھجوریں بھری ہوئی تھیں۔ ایک جنیہ آتی اور اس میں سے وہ نکال کر لے جاتی۔ انھوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب کی بار جب اسے دیکھو تو یوں کہنا کہ ''بسم اللہ جیبی، رسول اللہ کا نام لے کر کہتا ہوں کہ رسول اللہ کے بلانے پر چل۔'' چنانچہ اگلی مرتبہ وہ آئی تو انھوں نے یہی کہہ کر اسے پکڑ لیا۔ پھر اس کے قسم کھانے پر کہ اب نہ آؤں گی، اسے چھوڑ دیا۔

یہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ اس جنی کے مسلمان نہ ہونے کے باوجود وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی برکت سے گرفتار ہو گئی۔

بارھواں اور تیرھواں۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا، معراج کے سفر کے دوران آسمانوں کو طے کرنا اور اُن کے بارے میں واضح معلومات دینا۔

چودھواں، مٹی جیسے صحیحین میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ سفر ہجرت کے دوران سراقہ بن مالک نے ہمارا پیچھا کیا۔ میں نے اسے دیکھ کر عرض کیا کہ اس نے ہمیں آلیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ لاتحزن ان اللہ معنا یعنی غم نہ کیجیے، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ کیلئے بددعا کی تو اُس کا گھوڑا زمین میں پیٹ تک دھنس گیا۔ وہ بولا، ایسا لگتا ہے کہ تم دونوں نے میرے لیے بددعا کی ہے۔ اب دعا کرو کہ میں اس سے نجات پا جاؤں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ تمہاری تلاش میں آنے والوں کو پھیر دوں گا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی نجات کیلئے دعا کی اور پھر اُس نے وہاں سے نجات پائی۔ چنانچہ جب بھی کوئی اسے ملتا اور وہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں پوچھتا تو وہ انھیں دوسرے راستے پر پھیر دیتا۔

پندرھواں، پانی سے متعلق۔ جب غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام پیاسے ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک لوٹا تھا۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔ کل پانی وہی تھا جو لوٹے میں موجود تھا۔ اس پر صحابہ نے یہ کیفیت عرض کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ لوٹے میں رکھا تو انگلیوں سے پانی بہنے لگا۔ چنانچہ تمام قافلے والوں نے پانی پیا اور وضو کیا۔ اس حدیث کے راوی حضرت جابرؓ سے جب پوچھا گیا کہ اس وقت کل کتنے افراد تھے تو انھوں نے بتایا کہ ایک لاکھ افراد بھی ہوتے تو سب کو یہ پانی کافی ہو جاتا (یعنی پانی اتنی زیادہ مقدار میں تھا)۔

سولھواں، آگ سے متعلق۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے غزوۂ خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کیلئے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور تین کلو کے قریب جو کا آٹا تیار کیا۔ پھر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چپکے سے اس کی اطلاع کی، کیوں کہ یہ پکوان اتنا زیادہ نہ تھا کہ پورے لشکر کیلئے کافی ہو جاتا۔ اس وقت لشکر میں تقریباً ایک ہزار

افراد تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کو پکار کر جمع کرلیا۔ پھر حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ جب تک میں نہ آجاؤں، دیگچی آگ پر سے مت اتارنا اور نہ آٹا پکانا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب گندھے ہوئے آٹے اور دیگچی میں شامل کر دیا۔ برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا کہ ایک اور پکانے والی بلالی جائے اور دیگچی کو چولھے پر سے اتارا نہ جائے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم، پورے لشکر نے کھایا اور ہماری آخر میں ہماری ہانڈی ویسی ہی جوش مار رہی تھی جیسی کھانے سے پہلے تھی۔

سترھواں، ٹھنڈی ہوا۔ غزوۂ خندق ہی کا واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار پر ٹھنڈی ہوا اور ساتھ میں گرد کا جھکڑ بھیجا کہ خوب کڑاکے کا جاڑا پڑا۔ اس کی وجہ سے دشمن کا لشکر انتہائی اذیت میں آگیا۔ ان کی آگ بجھ گئی، ہانڈیاں الٹ گئیں، خیموں کی میخیں اکھڑ گئیں اور گھوڑے بدک کر آپس میں لڑنے لگے۔ لشکر میں ایک ادھم مچ گیا۔

اٹھارواں معجزہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادل کو اشارہ کیا تو وہ اٹھ آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کرنے پر وہ ہٹ گیا۔

انیسواں۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دعوتِ اسلام کیلئے ایک شخص کے پاس بھیجا۔ اس نے دعوتِ حق قبول کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ باتیں شروع کر دیں۔ اللہ کا کرنا یوں ہوا کہ اچانک اُس پر بجلی گری اور اس کی کھوپڑی اڑا دی۔

بیسواں، حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اطرافِ مکہ کی طرف نکلے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ میں نے دیکھا کہ جو پہاڑ یا درخت سامنے آتا، وہ یہ کہتا تھا، السلام علیک یارسول اللہ!

اکیس، مسجد نبوی میں منبر کے قریب چھوہارے کا ایک درخت تھا۔ آں حضرت صلی

اللہ علیہ وسلم خطبے کے وقت اُس درخت سے سہارا لے لیا کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ خطبہ ارشاد فرمار ہے تھے کہ وہ درخت اس زور سے چلا کر رونے لگا کہ قریب تھا کہ پھٹ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور اسے چمٹا لیا۔ پھر وہ ستون ہچکیاں لینے لگا۔ جس طرح ایک روتے ہوئے بچے کو چپ کرایا جائے تو وہ ہچکیاں لینے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ درخت خاموش ہو گیا۔

بائیس، ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند چھوہارے لایا اور عرض کیا کہ ان چھوہاروں کیلئے برکت کی دعا کر دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان چھوہاروں کو جمع کر کے ان کیلئے برکت کی دعا کی اور مجھ سے فرمایا کہ انھیں لے کر اپنے توشہ دان میں ڈال رکھو۔ جب تمہارا جی چاہے، اس میں ہاتھ ڈال کر نکال لو، مگر اسے پھاڑنا مت۔ ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ اُن چھوہاروں میں ایسی برکت ہوئی کہ میں نے اتنے اتنے وسق (وزن کا پیمانہ) اللہ کی راہ میں خرچ کیے اور ہمیشہ اس میں سے ہم کھاتے اور کھلاتے رہے۔ وہ توشہ ہمیشہ میری کمر میں لٹکا رہتا تھا، یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے روز وہ میری کمر سے کٹ کر کہیں گر گیا۔ (یہ تقریباً تیس برس کا دورانیہ بنتا ہے۔)

تئیس، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اونٹ جو بہت شریر تھا، وہاں کوئی بھی باغ میں جاتا تو اس پر دوڑ پڑتا اور کاٹنے کیلئے جھپٹتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا۔ وہ آیا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سجدہ کیا اور اپنی مہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں، وہ سب جانتی ہیں کہ میں رسولِ خدا ہوں، نافرمان انسانوں اور جنوں کے۔

چوبیس، حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں دریائے شور میں تھا کہ جہاز ٹوٹ

گیا۔ میں ایک تختے پر بیٹھ گیا اور بہتے بہتے ایک نیستان تک پہنچ گیا۔ وہاں مجھے ایک شیر ملا جو میری طرف آیا۔ میں نے اسے دیکھ کر کہا کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہوں۔ وہ شیر میری طرف بڑھ آیا اور اپنا کندھا میرے بدن پر مارا۔ پھر میرے ساتھ چلا، یہاں تک کہ مجھے راستے پر کھڑا کر دیا۔ تھوڑی دیر کھڑا رہا اور کچھ دیر تک ہلکی ہلکی آواز کرتا رہا۔ پھر میرے ہاتھ سے اپنی دُم چھوائی۔ مجھے لگا کہ وہ مجھے رخصت کرتا ہے۔

پچیس، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں ایک قدح دودھ کا دیکھا تو حکم دیا کہ تمام اصحابِ صفہ کو بلالو۔ وہ بھوکے تھے۔ میں نے دل میں کہا کہ مجھی کو دے دیتے تو میں سیر ہو کر پی لیتا۔ اس کے بعد میں نے اُن سب اصحاب کو بلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان سب کو دودھ پلاؤ۔ میں نے دودھ پلانا شروع کیا، یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر پیا۔ پھر مجھ سے کہا کہ تم پیو۔ میں نے بھی دودھ پیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اور پیو۔ میں دودھ پیتا جاتا تھا، یہاں تک کہ میں نے قسم کھا کر کہا کہ اب پیٹ میں جگہ نہیں رہی۔ پھر باقی دودھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا۔

بعض نام ہائے گرامی کی تفصیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص نام ''محمد'' ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ''احمد'' کے نام سے بشارت دی۔ اس کے علاوہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزید نام یہ ہیں جن کے معنی یہاں دیے جا رہے ہیں:

متوکل ظاہر

ماحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے کفر کو محو (مٹانا) کر دیا۔

حاشر چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوم محشر سب سے پہلے محشور ہوں گے اور باقی تمام انبیا وغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاشر ہوئے۔

عاقب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیا کے آخر (عقب) میں تشریف لائے۔

مقفی اس کے معنی بھی یہی ہیں

نبی التوبہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے جتنی مخلوق کی توبہ قبول کی ہے اتنی کسی اور نبی کی امت کی قبول نہیں کی۔

نبی الملحمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا۔ امت محمدیہ کے مسلمانوں اور کفار کیلئے گزشتہ امتوں کے سے عذاب نہیں آتے۔ نیز، باقی عناصر کائنات کی بقا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین (اسلام) کی بقا سے مشروط ہے۔

نبی الرحمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا ظاہر ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کیلئے تو دنیا اور آخرت میں اور کفار کیلئے دنیا میں رحمت ہیں کہ ان پر پہلی امتوں کی طرح کے عذاب نہیں آتے۔ اس کائنات کی بقا کا انحصار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی بقا

پر ہے۔ جب اس دین کا کوئی اثر نہیں رہے گا، حتیٰ کہ اللہ اللہ کرنے والا بھی کوئی نہ رہے گا تو قیامت قائم ہو کر تمام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔

فاتح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے دروازۂ ہدایت مفتوح ہوا، یعنی کھلا۔ کفار پر فتح ملی تو وہ ہدایت یافتہ ہوئے۔ جنت کے دروازے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے کشادہ ہوں گے۔

امین امانت رکھنے والا۔ قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے شاہد ہوں گے۔

مبشر، بشیر مومنین کو خوش خبری دینے والا۔

نذیر کفار کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا

قاسم فیوض اور اموال کے تقسیم کرنے والے

ضحوک وقتال ان دونوں کا استعمال جدا جدا نہیں ہوتا۔ اس کا مفہوم ہے، اہل ایمان سے ہنسنے بولنے والے اور کفار سے قتال کرنے والے۔

سراجِ منیر ہدایت کے روشن چراغ

سید ولد آدم تمام بنی آدم کے سردار

صاحب لواء الحمد قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں لواء الحمد ہو گا اور تمام انسان اس کے نیچے ہوں گے۔

صاحب مقام مقام شفاعت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے کیے جائیں گے۔

صادق سچی خبر دینے والے

مصدوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب خبریں وحی سے سچی ملتی ہیں۔

رؤف ورحیم دونوں کے معنی مہربان اور بہت مہربان ہیں۔ بعض ان میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہیں اور بعض دیگر انبیا میں مشترک ہیں۔

آں حضرتؐ کے بعض خصائص

وہ امور جو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا میں صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو عطا فرمائے۔ نیز، وہ چند امور جو اس دنیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس میں پائے گئے۔ یہ امور چار قسم کے ہیں۔

اول، جو دنیا میں تشریف لانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تھے۔ جیسے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ پاک کا پیدا ہونا۔ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہونا۔ یوم میثاق میں سب سے پہلے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلیٰ فرمانا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عرش پر لکھا جانا؛ کائنات کی تخلیق کا مقصد آپؐ ہونا؛ قرآن سے پہلی آنے والی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت کا ہونا؛ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم وغیرہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات حاصل ہونا۔

دوسری قسم کے امور وہ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت سے پہلے ظاہر ہوئے۔ مثلاً کندھے پر مہر نبوت کا ہونا۔ ان امور کا تذکرہ چھٹی فصل میں ہو چکا ہے۔

تیسری قسم کے امور نبوت کے بعد ظاہر ہوئے۔ مثال کے طور پر، معراج کا سفر اور اس دوران فرشتوں، جنت وجہنم وغیرہ کا مشاہدہ، اللہ تعالیٰ کو دیکھنا م کہانت کا منقطع ہونا، اذان واقامت میں نام مبارک آنا، قرآن جیسی عظیم المرتبت کتاب کا نازل ہونا، صدقہ کا حرام ہونا، نیند سے وضو نہ ٹوٹنا، امت پر امہات کا حرام ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

صاحب زادی سے نسب جاری ہونا، آگے پیچھے برابر دیکھنا، دور دور تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رعب پہنچنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع الکلم عطا ہونا، تمام مخلوقات کی طرف مبعوث ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کا خاتمہ ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین کا تمام انبیا کے تابعین سے زیادہ ہونا، سب مخلوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل ترین ہونا۔

چوتھی قسم کے معجزات وہ ہیں جو دیگر امتوں کے مقابلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہی کو عطا ہوئے۔ مثال کے طور پر، غنیمت کا حلال ہونا، نماز کا تمام روئے زمین پر جائز ہونا، تیمم کی اجازت ملنا، اذان و اقامت کا مقرر ہونا، نماز میں فرشتوں کی طرح صفوں کا اہتمام شروع ہونا، جمعہ کی ایک ساعت کا دعا کیلئے مخصوص ہونا، روزے کیلئے سحری کی اجازت، رمضان میں شب قدر ایک نیکی کا درجہ دس حصے اور زیادہ بھی، وسوسہ و خطا و نسیان کا گناہ نہ ہونا، مشکل احکامات ختم کیا جانا، تصویر و مسکرات کا ناجائز ہونا، اجماعِ امت کا حجت ہونا اور اس میں گم راہی کا نہ ہونا، فروعی اختلاف کا رحمت ہونا، گزشتہ امتوں کے سے عذاب نہ آنا، طاعون میں موت کا شہادت ہونا، علما سے دین کا وہ کام لیا جانا جو انبیا کیا کرتے تھے، قرب قیامت تک جماعت اہل حق کا موید من اللہ ہو کر پایا جانا، وغیرہ۔

پانچویں قسم کے امور وہ ہیں جو دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد برزخ یا قیامت میں ظاہر ہوئے یا ہوں گے۔

ماکولات، مشروبات، مرکوبات

ان چیزوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے دو طرح کے تعلق ہیں۔ایک یہ وضاحت کہ یہ چیزیں جائز ہیں اور دوسرے، ان کا استعمال ضرورت و مصلحت کیلئے کیسا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چیزیں کھائی یا پی ہیں، ان کے غذائی اور دوائی اثرات نمایاں ہیں۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کا استعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہے تو بعض کی خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔

اثمد یعنی سیاہ سرمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اثمد کو استعمال میں رکھو، وہ نگاہ کو تیز کرتا ہے اور بال جماتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ وہ دونوں آنکھوں میں تین تین سلائی سرمہ لگایا کرتے تھے۔

ترنج: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے، اس کی مثال ترنج کی سی ہے کہ مزہ بھی پاکیزہ اور خوش بو بھی۔

تربوز: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کو تازہ کھجور کے ساتھ کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کی گرمی، اس کی سردی کی دافع ہے۔

پیاز: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پیاز کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے آخری کھانا جو کھایا، اس میں پیاز تھا۔ایک حدیث کے مطابق، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے کھانے والے کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے، کیوں کہ اس کی بدبو تیز ہوتی ہے اور بعض لوگوں کو یہ بو ناگوار ہوتی ہے۔

تمر یعنی پکی ہوئی کھجور: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف فرمائی ہے کہ جو کوئی

صبح کو سات تمر کھالے، اس روز اسے جادو اور زہر نقصان نہیں پہنچائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس گھر میں تمر میں نہ ہو، اس گھر والے بھوکے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا بہ کثرت کھانا ثابت ہے... مسکہ سے بھی، روٹی سے بھی اور تنہا بھی۔

ثرید: یعنی گوشت کے شوربے میں روٹی ٹوٹی ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت دوسری غذاؤں پر۔

جبین: یعنی پنیر۔ تبوک کے سفر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پنیر لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاقو منگوایا اور بسم اللہ کہہ کر اسے کاٹا۔

حنا یعنی مہندی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی پھنسی، گلٹی یا کانٹا لگ جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اوپر مہندی رکھتے۔

کلونجی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کلونجی استعمال کیا کرو، کیوں کہ اس میں سوائے موت کے، تمام بیماریوں سے شفا ہے۔

حرف یعنی رائی: اس کا نام حدیث میں ''ثفا'' آیا ہے۔ عام زبان میں حب الرشاد کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو چیزوں میں کس قدر شفا ہے، ثفا میں اور ایلوا میں۔

حلبہ یعنی میتھی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میتھی سے شفا حاصل کیا کرو۔

خبز یعنی روٹی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شوربے میں توڑی بہت پسند تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار گیہوں کی روٹی گھی سے پڑی ہوئی کی خواہش فرمائی۔ چنانچہ ایک صحابی نے حاضر کی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھی کے ظرف کو تحقیق فرمایا تو معلوم ہوا کہ گو مار کے چمڑے کی کپی میں تھا۔ لہٰذا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اٹھانے کا حکم فرمایا۔

خل یعنی سرکہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا ہے اور تعریف بھی کی کہ سرکہ خوب سالن

ہے۔

دہن یعنی روغن: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر میں کثرت سے تیل ڈالا کرتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روغن زیتون کھاؤ بھی اور لگاؤ بھی۔

ذریرہ یعنی ایک قسم کا مرکب عطر: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، میں نے حج وداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام باندھنے کے وقت اور احرام کھولنے کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھوں سے ذریرہ کی خوش بو لگائی۔

چھوہارا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ککڑی اور چھوہارا ایک ساتھ کھاتے ہوئے دیکھا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے پہلے خرمائے تر سے روزہ افطار فرماتے۔اگر خرمائے تر نہ ہوتے تو خرمائے خشک سے افطار فرماتے۔یہ بھی نہ ہوتے تو پانی سے افطار کرتے۔

ریحان ایک خوش بودار پھول: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص کے سامنے ریحان پیش کیا جائے، اس سے انکار نہ کرے، کیوں کہ اس میں بارِ احسان ہلکا ہے اور خوش بو پاکیزہ ہے۔

زنجبیل یعنی سونٹھ: ایک مرتبہ روم کے بادشاہ نے سونٹھ سے بھرا ہوا گھڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ایک ایک کھانے کو دیا۔

سنا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیہ کو سنا کا مسہل لینے کا فرمایا۔ارشادِ گرامی ہے، اگر کوئی شے موت سے شفا دینے والی ہوتی تو وہ سنا ہوتی۔

سنوت: اس کے معنی میں اختلاف ہے۔بعض اطبا نے ایک خاص تفسیر کو ترجیح دی ہے کہ شہد جو گھی کے برتن میں رکھا گیا ہو، سنوت کہلاتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سنا اور سنوت کو استعمال کیا کرو، کیوں کہ ان دونوں میں موت کے سوا تمام امراض سے شفا ہے۔بعض اطبا نے وجہ ترجیح میں لکھا ہے کہ شہد اور گی سے سنا کی اصلاح اور اسہال کی اعانت ہوتی ہے۔

سفرجل یعنی سیب وہی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کو ایک سیب دے کر فرمایا کہ یہ قلب کو تقویت دیتا، طبیعت کو خوش کرتا اور سینے کے کرب کو دور کرتا ہے۔

سمن یعنی گھی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھی کی خواہش کا اظہار فرمایا۔

سمک یعنی مچھلی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنبر ماہی کا گوشت صحابہ سے لے کر کھایا۔

سلق یعنی چقندر: ایک مرتبہ حضرت علیؓ نقاہت کی حالت میں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جو اور چقندر ملا ہوا کھانا مواقف مزاج فرمایا۔

شونیز یعنی کلونجی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نے کلونجی کے استعمال کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ کلونجی میں موت کے سوا ہر مرض سے شفا ہے۔

شعیر یعنی جو: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ بخار میں گھر والوں کو آشِ جو بنوا کر پلاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ اُداس دل کو تقویت دیتا اور مریض کے قلب سے کرب دور کرتا ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر غذا اغلہ تھا۔

شویٰ یعنی بھنا ہوا گوشت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا ہے۔

شحم یعنی چربی: ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور جَو کی روٹی اور چربی جس میں تغیر آ گیا تھا، پیش کی۔

طیب یعنی خوش بو: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ ترین چیزوں میں ایک خوش بو ہے۔

عسل یعنی شہد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر مہینے تین دن صبح کے وقت شہد چاٹ لیا کرے، اسے کوئی بڑی بلا نہ پہنچے گی۔

عجوہ: یہ مدینہ منورہ کی کھجوروں میں سے ایک خاص قسم کی کھجور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، عجوہ جنت سے ہے اور وہ زہر سے شفا ہے۔

عودِ ہندی: یہ ایک خوش بو ہے جس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ''قسط'' کہلاتا ہے۔ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دواؤں میں سب سے بہتر پچھنے لگوانا ہے اور قسط بحری۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عودِ ہندی استعمال کیا کرو، اس میں سات شفائیں ہیں۔

قثا یعنی ککڑی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ککڑی کو تازہ کھجور کے ساتھ تناول فرمایا ہے۔

کماۃ یعنی کھمبی یا مش روم۔ بعض لوگ اسے سانپ کی چھتری بھی کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کماۃ ''من'' کے مشابہ ہے جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا۔ (من وسلوا مُراد ہے۔) یعنی یہ مفت کی چیز ہے۔ اس کا عرق آنکھ کیلئے شفا ہے۔

کباث یعنی پیلو کا پھل۔ ایک بار صحابہ کرام جنگل میں پیلو چن رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سیاہ لو، وہ عمدہ ہوتا ہے۔

لحم یعنی گوشت۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا اور جنت کے لوگوں کی تمام غذاؤں کا سردار گوشت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دست کا گوشت پسند فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پشت کا گوشت عمدہ ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرگوش کا گوشت بھی قبول فرمایا ہے۔ گورخر کا گوشت کھانے کی صحابہ کو اجازت دی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وسوکھا ہوا گوشت بھی کھایا ہے۔ مرغ کا گوشت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا ہے۔ سرخاب کا گوشت کھانا بھی مروی ہے۔ صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں ٹڈی کھائی ہے۔

لبن یعنی دودھ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کی بھی تعریف کی ہے کہ سوائے دودھ کے، اور کوئی شے مجھے معلوم نہیں جو کھانے اور پینے، دونوں سے کافی ہوجائے۔ دودھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی پیا ہے اور پھر پانی منگا کر کلی کی ہے۔

ماء یعنی پانی۔ بعض خاص پانیوں کی فضیلت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ سیحان، جیحان اور نیل وفرات کو جنت کی نہروں میں سے فرمایا۔ بعض محققین اس کی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ پانی کے جید ہونے کے تمام طریقے ان میں جمع ہیں۔ پانی کی

تمام خصوصیات اس پانی میں جمع ہیں۔ اس لیے جنت کی نہروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور آب زم زم کے بارے میں فرمایا کہ آبِ زم زم جس نیت سے پیا جائے، وہ مقصد پورا ہوگا۔ پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میٹھا اور سرد پیا کرتے تھے۔ ابوالہیثم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باسی پانی طلب کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایک کنویں بیئر سقیا سے میٹھا پانی لایا جاتا تھا۔

مسک یعنی مشک۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام خوش بوؤں میں سب سے پاکیزہ خوش بو مشک کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام سے پہلے اور بعد میں اس خوش بو استعمال بھی فرمایا ہے۔

ملح یعنی نمک۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے کھانے پینے کی اشیا میں سردار نمک ہے۔

نورہ یعنی چونا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پوشیدہ بال صاف کرنے کیلئے چونے کا استعمال فرماتے۔

بنق یعنی بیر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اترے تو سب سے پہلے انھوں نے بیر کھایا تھا۔

درس یعنی ایک خاص قسم کی زرد گھاس۔ اس سے کپڑے وغیرہ رنگے جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات الجنب مس درس اور روغن زیتون کی تعریف کی ہے۔

یقطین یعنی کدو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا برتن میں سے کدو کے ٹکڑے تلاش کرکر کے کھاتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ جب ہنڈیا پکاؤ تو کدو زیادہ ڈالا کرو کہ وہ غم زدہ قلب کو قوت دیتا ہے۔

ملبوسات

ملبوسات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس چادر، لنگی، کرتا اور عمامہ ہوتا تھا۔ سفید کپڑا بہت پسند فرماتے تھے۔ دھاری دار چادر بھی پسند تھی۔ عمامے کے نیچے ٹوپی بھی پہنتے۔ کبھی صرف ٹوپی یا صرف عمامہ ہی پہن لیتے۔ عمامے کا شملہ کبھی ہوتا اور کبھی نہ ہوتا۔

قبا بھی پہنا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کی لمبائی چھے ہاتھ اور چوڑائی تین ہاتھ ایک بالشت ہوتی تھی۔ تہ بند کی لمبائی چار ہاتھ ایک بالنشت جبکہ چوڑائی دو ہاتھ ایک بالشت رہی۔ پھول دار اور سادہ، دونوں طرح کی چادریں پہنی ہیں۔ سیاہ کپڑا بھی پہنا ہے۔ شاہِ روم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پوستین جس میں ریشم کی سنجاف لگی تھی، بھیجا تھا، وہ بھی پہنا ہے۔ پجاما آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خریدا ہے۔ بعض روایات میں پہننا بھی آیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو چادریں، ایک کھیس اونی بالوں کا بنا، اور سوت کا کرتا تھا جس کا دامن اور آستینیں لمبی نہ تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر سوتی کپڑا پہنا ہے۔ البتہ گاہے کتان اور صوف بھی استعمال کیا ہے۔ قیمتی کپڑا بھی استعمال کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تکیہ چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر سوتے، کبھی چارپائی پر، کبھی زمین پر۔ کبھی سیاہ کمبل پر۔ ایک بستر چمڑے کا تھا جس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال بھری تھی۔ اوڑھنا بھی اوڑھتے تھے۔ جوتی اور چمڑے کے موزے بھی پہنتے تھے۔

پالتو جانور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواریوں میں سات گھوڑے تھے جن کے نام یہ ہیں: سکب،

مرنجز، لحیف، لزاز، ظرب، سنجہ، ورد... پانچ خچر تھے۔ ایک دلدل جو شاہِ مصر مقوقس نے بھیجا تھا۔ دوسرا فضہ فزدہ نے جو قبیلہ جذام سے تھا، بھیجا تھا، تین دراز گوش تھے۔ ایک عفیر جو شاہِ مصر نے بھیجا تھا۔ دوسرا فروہ مذکور نے بھیجا تھا۔ تیسرا حضرت سعد بن عبادہ نے پیش کیا تھا۔ سانڈیاں دو یا تین تھیں۔ ایک قصی، دوسری عضبا، تیسری جدعا۔ بعض نے یہ دونوں نام ایک ہی کے لکھے ہیں۔ اونٹنیاں دودھ کی تھیں اور بکریاں سو تھیں۔ اس سے زائد نہ ہونے دیتے۔ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ایک بکری ذبح کر دیتے۔

آں حضرتؐ کے اہل وعیال، خدام، ازواج

ازواجِ مطہرات۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچیس برس جبکہ حضرت خدیجہ کی چالیس سال تھی۔ حضرت ابراہیم کے سوا کہ جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہوئے، باقی تمام اولادیں حضرت خدیجہ ہی سے ہیں۔ ہجرت سے تین سال پہلے ان کی وفات مکہ میں ہوئی۔

حضرت خدیجہ کی وفات کے چند روز بعد حضرت سودہ بنت زمعہ قرشیہ سے نکاح فرمایا۔ اس کے کچھ عرصے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، لیکن رخصتی تین سال بعد پہلی سن ہجری کو ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیات میں صرف یہی کنواری تھیں۔

اس کے بعد حفصہ بنت عمر سے نکاح کیا۔ پھر زینب بنت خزیمہ قیسیہ سے نکاح کیا۔ یہ دو ماہ بعد وفات پا گئیں۔ پھر ام سلمہ سے نکاح کیا۔ ان کی وفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیات میں سب سے بعد میں ہوئی۔ ام سلمہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش سے نکاح فرمایا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام اہلیات میں سب سے پہلے انھی کی وفات ہوئی۔ غزوۂ بنی مصطلق کے

دوران حضرت جویریہ سے نکاح ہوا۔ یہ اس غزوہ میں قید ہوکر آئی تھیں۔ آزاد کیے جانے کے بعد ان سے نکاح کیا۔ پھر حضرت ام حبیبہ سے جو اُس وقت حبشہ ہجرت کر گئی تھیں، بہ واسطہ وکیل سنہ چار ہجری میں نکاح ہوا اور شاہِ حبشہ نجاشی نے چار دو دینار انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مہر دیا۔ غزوۂ خیبر کے زمانے میں حضرت صفیہ سے نکاح ہوا۔ یہ اس غزوہ میں قید ہوکر آئی تھیں۔ قید سے آزادی کے بعد نکاح فرمایا۔ حضرت میمونہ سے عمرۃ القضا کے زمانے میں نکاحھوا۔

یہ کل گیارہ خواتین ہیں جن میں سے دو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں وفات پا گئیں اور نو ازواجِ مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حیات تھیں۔

سراری یعنی وہ کنیزیں جو ہم بستری کیلئے ہوں۔ حضرت ماریہ جن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔ حضرت ریحانہ، حضرت جمیلہ، ایک حضرت زینب نے ہبہ کردی تھی۔

اولاد۔ سب سے پہلے بیٹے قاسم ہوئے۔ اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت 'ابوالقاسم' پڑ گئی تھی۔ یہ بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔

پھر حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، حضرت فاطمہ پیدا ہوئیں۔ ان تینوں میں اختلاف ہے کہ بڑی کون سی ہیں۔ ان کے بعد بیٹے عبداللہ پیدا ہوئے۔ طیب و طاہر ان کے لقب ہیں۔ ان کا بھی بچپن میں انتقال ہوگیا۔ یہ سب حضرت خدیجہ سے ہیں۔

آٹھ ہجری میں حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔ شیر خوارگی میں انتقال کر گئے۔

حضرت فاطمہ آپؐ کی وفات کے وقت زندہ تھیں۔ چھے ماہ بعد وفات پا گئیں۔

چچا۔ حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ، ابوطالب، ابولہب، زبیر، عبدالکعبہ، حارث، مقوم، بعض محققین نے یہ دونوں نام ایک ہی چچا کے بتائے ہیں۔ ضرار، قثم، مغیرہ، عیداق۔ بعض محققین نے ان دونوں کو ایک ہی کہا ہے۔ یہ کل بارہ یا دس ہوئے۔ اسلام صرف دو نے

قبول کیا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ ۔

پھپیاں ۔ حضرت صفیہ، عاتکہ اور روحی ۔ حضرت صفیہ کے اسلام لانے پر اتفاق ہے اور باقی دو پر مورخین کا اختلاف ہے۔ اس کے علاوہ برہ، امیمہ اور ام حکیم تھیں ۔

موالی یعنی کنیزیں اور غلام ۔ حضرت زید بن حارثہ، اسلم، ابورافع، ثوبان، ابو کبشہ، سلیم، شقران، رباح، یسار، مدغم، کرکرہ، انجشہ، سکینہ، انیسہ، افلح، عبیدہ، طہمان، کیسان، ذکوان، مہران، مروان۔ بعض نے یہ پانچوں نام ایک ہی خادم کے بیان کیے ہیں۔ حنین، سندر، فضالہ، مابور، واقد، ابوواقد، قسام، ابوعسیب ، ابو۔ یہ سب غلاموں کے نام ہیں ۔

جبکہ کنیزیں یہ تھیں: سلمیٰ، ام رافع، میمونہ، بنت سعد خضیرہ، رضوی، ریشحہ، ام ضمیر، میمونہ بنت ابی عسیب ، ماریہ، ریحانہ۔

گھر کے خاص خدام اور کاروبار کرنے والے یہ تھے: حضرت انسؓ جن کے ذمے اکثر کام ہوا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود جن کے ذمے نعل ومسواک کی خدمت تھی۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنی جو سفر میں خچر کے ساتھ رہتے۔ اسلع بن شریک ناقہ کے ساتھ ہوتے۔ حضرت بلالؓ (موذن) کے پاس آمد و خرچ کے حسابات ہوتے۔ حضرت ابوذر غفاری اور ایمن بن عبیدان کے ذمے وضواور استنجا کی خدمت تھی۔ ایمن کی والدہ ام ایمن کے پاس انگشتری رہتی تھی۔

موذنین کل چار تھے۔ دو مدینہ میں حضرت بلالؓ اور حضرت ابن ام مکتوم، ایک قبا میں حضرت سعد بن معاذ یوم بدر میں اور حضرت محمد بن مسلمہ یوم احد میں، اور حضرت زبیر بن عوام یوم خندق میں، حضرت عباد بن بشر نے بھی بعض اوقات یہ کام کیا۔ مگر جب یہ آیت وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (سورۃ المائدہ، آیت 67) نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلیم نے پہرہ موقوف کیا۔

کاتبین یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خط و کتابت کرنے والے حضرت ابوبکرؓ ،

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت عمرو بن عاص، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن ارقم، حضرت ثابت بن قیس بن شماس، حضرت حنظلہ بن ربیع اسدی، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت خالد بن ولید، حضرت خالد بن سعید بن عاص، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، حضرت زید بن ثابت اور یہ اکثر یہ کام کیا کرتے تھے۔

ضارب اعناق یعنی وہ افراد جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بعد واجب القتل مجرموں کی گردنیں مارا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت مقداد بن عمرو، حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت عاصم بن ثابت ضحاک بن سفیان۔

شعرا اور خطبا یعنی وہ صحابہ کرام جو اسلام کی حمایت میں نظم کہنے اور تقریر کرنے والے تھے۔ حضرت کعب بن مالک، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت حسان بن ثابت شاعر تھے۔ حضرت ثابت قیس بن شماس مقرر تھے۔

امت پر نعمت کی تکمیل

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کا واقعہ انسانی تاریخ کا ایسا جاں فرسا اور ہوش رُبا ہے کہ اس کی مثال کوئی دوسرا واقعہ نہیں ہوسکتا۔

پہلی روایت: جب سورۂ فتح نازل ہوئی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ مجھے میری موت کی خبر اشارۃً سنائی گئی ہے۔ جبریل علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا، وللآخرۃ خیر لك من الاولیٰ یعنی آخرت آپؐ کیلئے دنیا سے زیادہ بہتر ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا میں رہنے کی بجائے آخرت کا سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے زیادہ مفید ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے بلاحجاب قرب ہے۔ نیز، اخروی نعمتوں کے مشاہدے کا مکمل سرور بھی ہے۔

دوسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرضِ وفات میں منبر پر بیٹھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا کی زیب وزینت اور اپنے پاس کی چیزوں کے درمیان انتخاب کا اختیار دیا تو اس بندے نے اللہ تعالیٰ کی پاس کی چیزوں کو ترجیح دی۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ رونے لگے۔ ہم لوگوں کو بعد میں سمجھ آیا کہ اس بندے سے مُراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔

تیسری روایت: شیخین نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ہر نبی کو مرض میں اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں رہیں یا آخرت میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کھانسی اٹھتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرمایا کرتے تھے، مع الذین انعمت علیھم من النبین و الصدیقین و الشھدا

و الصالحین یعنی اُن لوگوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں جن پر آپ (اللہ جل جلالہ) نے انعام فرمایا کہ وہ نبی ہیں، صدیق ہیں اور شہید ہیں اور صالح ہیں۔ پس مجھے یقین ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا ہے (جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کو اختیار فرمایا)۔ یہ بھی دعوا مقصود میں نص ہے۔

چوتھی روایت: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحت میں فرمایا کرتے تھے کہ جس نبی کی وفات ہوتی ہے، اس کا مقام جنت میں رہنے کا اسے دکھا کر اسے اختیار دیا جاتا ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی شدت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف اوپر نگاہ اٹھا کر فرماتے تھے، اللہم الرفیق الاعلیٰ یعنی اے اللہ، میں عالم بالا کے رفقا کو اختیار کرتا ہوں۔

پانچویں روایت: آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے دو اختیار دیے گئے۔ ایک یہ کہ اس دنیا میں اتنا رہوں کہ اپنی امت کی فتوحات کو دیکھوں۔ دوسرے، آخرت کو چلنے میں جلدی کروں۔ میں نے اس جلدی کو اختیار کیا۔

چھٹی روایت: بیہقی کی ایک طویل روایت میں ہے کہ حضرت ملک الموت نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے کہ اگر آپؐ فرمائیں تو روح قبض کروں اور اگر آپؐ فرمائیں تو چھوڑ دوں۔ مجھے حکم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کی طرف دیکھا تو انھوں نے عرض کی، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، اللہ تعالیٰ آپؐ سے ملاقات کا مشتاق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک الموت کو روح قبض کرنے کی اجازت دے دی۔

اس سے بھی آخرت کے سفر کی ترجیح پتا چلتی ہے کہ اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق ہے۔ گویا، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں رہنے کے مقابلے میں آخرت کو

ترجیح دی، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے بھی آخرت ہی کو پسند فرمایا۔

ساتویں روایت: ایک مرتبہ حضرت اُم ایمنؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کر کے رونے لگیں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ آپ کیوں روتی ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کی نعمتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہاں کی نعمتوں سے بہتر ہیں۔ انھوں نے بھی تصدیق کی۔ پھر رونے کی وجہ بتائی کہ وحی آسمان سے منقطع ہوگئی۔ اس پر وہ دونوں حضرات بھی رونے لگے۔

آٹھویں روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی امت پر رحمت کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس امت کے پیغمبر کو امت سے پہلے وفات دے دیتے ہیں اور اس پیغمبر کو اس امت کیلئے بہ طور سروسامان اور سلف کے، آگے بھیج دیتے ہیں۔ اور جب کسی امت کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو پیغمبر کے زندہ رہتے ہوئے اسے سزا دیتے اور اسے ہلاک کر دیتے ہیں۔ اور وہ پیغمبر دیکھ رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس امت کو ہلاک کر کے اس پیغبر کی آنکھیں ٹھنڈی کی جاتی ہیں۔ کیوں کہ اس کی امت کے لوگوں نے اس پیغمبر کی نافرمانی کی تھی۔

اس حدیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر آخرت کو امت کے حق میں رحمت ہونا معلوم ہوتا ہے۔

نویں روایت: ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کے دو بچے یا ایک بچہ بچپن ہی میں انتقال کر جائے تو اس کے والدین کو جنت میں گھر ملے گا۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ جس کا کوئی بچہ آگے نہ گیا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنی امت کیلئے میں آگے جاتا ہوں، کیوں کہ میری وفات کے برابر اُن کیلئے کوئی مصیبت نہ ہوگی۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صبر کرنے سے

ثوابِ عظیم کے مستحق ہوں گے۔

دسویں روایت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس پر کوئی مصیبت پڑے تو وہ میری وفات کے واقعے کی مصیبت کو یاد کر کے تسلی حاصل کرے۔

اس سے ایک اور حکمت یہ پتا چلی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا واقعہ ایمان والوں کیلئے بہت بڑا غم ہے، لہٰذا اسے یاد کرنے پر باقی غم ہلکے محسوس ہوتے ہیں۔

گیارھویں روایت: قیس بن سعد سے روایت ہے کہ مقام حیرہ میں ایک رئیس کے سامنے رعایا کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھ کر آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپؐ کے سامنے سجدہ کرنا تو اور زیادہ بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا اگر تم میری قبر پر گزرو تو کیا اسے بھی سجدہ کرو گے۔ میں نے عرض کیا، نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو بس، ایسا مت کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ سجدہ کرنے کیلئے زندہ ہونا شرط ہے اور ظاہر ہے، حقیقتاً اور ہمیشگی زندگی تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ لہٰذا، سجدہ بھی بس اسی کو زیبا ہے۔ چنانچہ اس حدیث مبارکہ سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ اگر نبی مرحم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ زندہ رہتے تو عجب نہیں کہ لاتعداد نادانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر الوہیت کا شبہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ خاص کا زوال اور اس سے عدم الوہیت پر استدلال ثابت ہو گیا۔ امت کیلئے یہ ایک بڑی رحمت ہے۔

بارھویں روایت: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنی وفات کے بعد اپنے اصحاب کے اختلاف کے بارے میں پوچھا تو ارشاد ہوا کہ اے محمدؐ، آپؐ کے صحابہؓ میرے نزدیک ستاروں کی مانند ہیں کہ کوئی کسی سے قوی ہوتا ہے۔ مگر نور سب میں ہے۔ لہٰذا جو شخص ان میں اختلاف کی وجہ سے کسی

کی رائے بھی لے گا تو وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔

اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہی رہتے تو ظاہر ہے، سب کسی بھی معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے اور ہر واقعے میں نص حاصل ہو جاتی۔ پھر اجتہاد کا باب نہ کھلتا۔ حالانکہ فروعی معاملات میں اختلافِ رائے رکھنا امت کیلئے رحمت اور جو کوئی کسی بھی رائے کو درست سمجھتا ہو، وہ اسی پر عمل کرلے تو اسے اس کا اجر ملے گا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے اصحاب کیلئے سبب امن ہوں۔ جب میں چلا جاؤں گا تو فتنے اور جنگیں ان پر آئیں گی۔ اور میرے اصحاب میری امت کیلئے سبب امن ہیں۔ جب میرے اصحاب چلے جائیں گے تو امت پر موعودہ بلائیں (بدعات اور شرور) آئیں گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی ابتدا حضرت میمونہؓ کے گھر سے ہوئی۔ بعض راویوں کے نزدیک حضرت زینب بنت جحش کے گھر یا ریحانہ کے گھر سے آغاز ہوا۔ یہ پیر یا ہفتے یا بدھ کا دن تھا۔ مرض کی کل مدت بعض کے نزدیک تیرہ دن ہے۔ بعض چودہ اور بعض نے بارہ دن کہے ہیں۔

مرض دردِ سر سے شروع ہوا اور اس میں بخار بڑھ گیا۔ چونکہ بخار کی شدت اور نقاہت شدید تھی، اس لیے خیبر میں جس زہر کا اثر ہوا تھا، اس کی تکلیف بھی اس دوران خاصی بڑھ گئی تھی۔ البتہ بعض روایات میں اس کی نفی آئی ہے۔

جب طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا۔ انھوں نے سترہ نمازیں پڑھائیں۔ درمیان میں ایک وقت کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بیٹھ کر پڑھائی۔

ایک صحابہ کرام کے رنج وغم کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ کر بہت سے وصیتیں اور نصیحتیں ارشاد فرمائیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت

ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو حضرت عائشہؓ کے گھر جمع کیا اور یہ بتایا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر آخرت قریب ہے۔ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ، آپؐ کو غسل کون دے گا؟ فرمایا، میرے گھر والے۔ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ، آپؐ کو کفن کس کپڑے میں دیں؟ فرمایا، میرے انھی کپڑوں میں... اور اگر چاہو تو مصر کے سفید کپڑوں میں یا یمانی چادر جوڑے میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس عموماً چادر اور لمبی قمیص ہوتا تھا۔

پوچھا گیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپؐ پر نماز کون پڑھے گا؟ فرمایا، جب غسل کفن سے فارغ ہو تو میرا جنازہ قبر کے قریب رکھ کر ہٹ جانا۔ اول، فرشتے نماز پڑھیں گے، پھر تم گروہ در گروہ آتے جانا اور نماز پڑھتے جانا۔ اس میں بھی ترتیب یہ ہو کہ اول اہل بیت کے مرد نماز پڑھیں، پھر اہل بیت کی خواتین، پھر لوگ۔ پھر ہم نے عرض کیا، قبر میں کون اتارے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے اہل بیت اور ان کے ساتھ ملائکہ ہوں گے۔

ایک روز جب مسجد میں حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رہائش گاہ سے پردہ اٹھایا اور صحابہ کرام کو دیکھ کر مسکرائے۔ نمازی سمجھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے۔ اس وقت صحابہ کی بے تابی کا عجب حال تھا کہ قریب تھا کہ نماز میں کچھ پریشانی ہو جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی پیچھے ہٹنا چاہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ نماز پوری کی جائے۔ پھر پردہ چھوڑ کر واپس اندر تشریف لے گئے۔

یہ تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخیر زیارت اور وفات کے قریب زمانے کے کچھ واقعات۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ربیع الاول سن دس ہجری بہ روز دوشنبہ پیر آفتاب کے زوال سے پہلے یا بعد میں ہوئی۔ غلبہ محبت و حیرت کی وجہ سے ابتدا میں بہت سوں کو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین ہی نہ ہوا۔ صحابہ کرام کو اس کے ہونے کا بھی یقین نہ تھا، لہٰذا انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ویسے سوالات ہی نہیں کیے جیسے وہ دوسرے مسائل کے بارے میں کیا کرتے تھے۔ ان کا دل ہی گوارا نہیں کرتا تھا کہ یہ بات زبان پر لائیں۔ اس لیے عام مجمع کے پاس اس بارے میں کوئی ذخیرہ نہیں تھا۔ پھر ایسے موقع پر اسلام کی آئندہ حفاظت کی فکر تھی اور حقیقتاً یہ فکر سب سے آگے تھی۔ اور، اس کیلئے کسی ایک شخص پر متفق ہوکر اسے حاکم بنانا ضروری تھا۔ اس میں کچھ دیر لگی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز متفرد طور پر پڑھی گئی، یعنی جماعت نہیں ہوئی۔ جسد مبارک میں تبدیلی کا خدشہ نہ تھا، اس لیے یہی چاہا کہ سبھی اس شرفِ نماز سے شرف یاب ہوجائیں۔

پیر اور منگل کا دن گزر کر بدھ کو تدفین ہوئی۔ ایک اور روایت کے مطابق، منگل کے دن تدفین کی گئی۔ تیسری روایت میں ہے کہ بدھ کے دن تدفین ہوئی۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینا چاہا تو یہ خیال اٹھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے عام میتوں کی طرح اتارے جائیں یا کپڑوں سمیت غسل دیں۔ جب اس میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند پر مسلط کردی اور گھر کے ایک گوشے سے کسی کلام کرنے والے نے کلام کیا۔ نہیں معلوم کہ یہ کون تھا۔ کہتا تھا، کہ کپڑوں سمیت غسل دو۔ چنانچہ قمیص کے اوپر سے میت پر پانی ڈالتے تھے اور قمیص سمیت ملتے تھے۔ اس وقت ایک تیز خوش بودار ہوا اٹھی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا نچوڑ دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ ان میں حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے زیادہ تر نے صحیح کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہیں تھے۔

جب دفن کا معاملہ پیش آیا تو اس میں مختلف آرا سامنے آئیں۔ حضرت ابوبکر

صدیقؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیا کی روح وہیں قبض کرتے ہیں، جہاں وہ انبیا دفن ہونا پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ دفن کرو جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر تھا۔

حضرت ابوطلحہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھودی اور چار حضرات سے قبر میں اتارا... حضرت علی، حضرت عباس، حضرت ان کے دو صاحب زادے حضر قثم اور حضرت فضل۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر نو اینٹیں کچی کھڑی کی گئیں۔ حضرت بلالؓ نے پانی کی ایک مشک قبر شریف پر چھڑک دی۔ قبر کی شکل کوہان جیسی تھی۔

دارمیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے زیادہ کوئی دن اچھا اور روشن تر، اور یوم وفات سے زیادہ برا اور تاریک تر نہیں دیکھا۔ حتیٰ کہ ہم نے ابھی تدفین کے بعد ہاتھوں سے مٹی بھی نہ جھاڑی تھی کہ اپنے قلوب میں تغیر پایا۔ قبر شریف کی زیارت میں احادیث آئی ہیں۔

آں حضرتؐ کا عالم برزخ میں تشریف رکھنا

پہلی روایت: حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اعمال صبح وشام پیش نہ کیے جاتے ہوں۔

دوسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیا کے جسموں کو کھائے۔ لہٰذا، خدا کے پیغمبر زندہ ہوتے ہیں اور انھیں رزق دیا جاتا ہے۔ اس لیے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر مبارک میں زندہ رہنا ثابت ہوا اور یہ رزق اُس عالم کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ اگرچہ شہدا کیلئے حیات اور رزق کی فراہمی کا ذکر ہے، لیکن انبیا علیہم السلام کا درجہ شہدا سے اکمل اور افضل ہے۔

تیسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیا علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ یہ نماز اُن پر فرض نہیں، بلکہ انھیں اس میں لطف ملتا ہے۔اس زندگی سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ انھیں ظاہری دنیاوی زندگی والا انسان دنیا میں ہر جگہ سے پکار سکتا ہے۔ کیوں کہ مشکات میں بیہقی سے حضرت انسؓ کے حوالے سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے، میں اسے خود سنتا ہوں اور جو شخص دور سے درود پڑھتا ہے، وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے یعنی فرشتوں کے زریعے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین سیاحت کرنے والے مقرر ہیں جو میری امت کی طرف سے مجھ تک سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

چوتھی روایت: کعب احبار حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور حاضرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا تو حضرت کعب نے کہا کہ کوئ دن ایسا نہیں آتا کہ جس میں ستر ہزار فرشتے نہ آتے ہوں، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احاطہ کر لیتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں، یہاں تک کہ شام ہو جاتی ہے۔ پھر وہ آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔ پھر دوسرے فرشتے اسی طرح کے اوراترتے اور ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب قیامت کے دن قبر شق ہوگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ باہر تشریف لائیں گے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے چلیں گے۔

پانچویں روایت: ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح پر واپس کر دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اس حدیث سے حیات میں شبہ نہ کیا جائے، کیوں کہ اس سے مراد یہی ہے کہ میری روح جو ملکوت و جبروت میں مصروف تھی، جس طرح کہ دنیا میں نزول وحی کے وقت کیفیت

ہوتی تھی، اس سے افاقہ ہو کر سلام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں۔

میدانِ قیامت کے خاص فضائل

پہلی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا قیامت کے دن؛ اس دن میری قبر سب سے پہلی کھلے گی (یعنی سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا اور سب شفاعت کرنے والوں سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔

دوسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز میرے تابع تمام پیغمبروں میں سب سے زیادہ ہوں گے۔ وہیں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔

تیسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن براق پر ہوں گا اور تمام دنیا میں سے اس رز میں ہی اس کے ساتھ مختص ہوں گا۔

چوتھی روایت: حضرت جابرؓ سے ایک روایت ذکر کی گئی ہے، جس میں خصائص کا بیان ہے، ایک جملہ یہ بھی ہے کہ مجھے شفاعت (کبرا) عطا کی گئی ہے جو تما عالم کیلئے فصل حساب کیلئے ہوگی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

پانچویں روایت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ میرے ہاتھ میں قیامت کے دن لوائے الحمد ہوگا۔ میں فخر کی وجہ سے نہیں کہتا، مگر تمام انبیا اور اُن کے سوا جتنے بھی ہیں، وہ سب میرے درجے کے نیچے ہوں گے۔

چھٹی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگ مبعوث ہوں گے تو میں سب سے پہلے قبر سے نکلوں گا۔ میں اُن کا پیش رو ہوں گا۔ اور جب حق تعالیٰ کی پیشی میں آئیں گے تو میں اُن کی طرف سے (شفاعت کیلئے) بات چیت کروں گا کہ جب وہ خاموش ہوں گے۔ ان کی طرف سے مجھ سے شفاعت کیلئے بات چیت کی درخواست کی

جائے گی جب سب خاموش ہوں گے۔اور جب وہ ناامید ہوں گے تو میں خوش خبری دینے والا ہوں گا۔اس دن کرامت (اور ہر خیر) کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی۔اس لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔میں اُس روز تمام بنی آدم سے زیادہ مکرم ہوں گا۔ایک ہزار خادم میری خدمت کیلئے آجارہے ہوں گے۔(اور ایسے ہوں گے کہ) گویا، وہ بیضے ہیں جو (ہر طرح کے غبار وغیرہ) سے محفوظ ہوں گے۔

ساتویں روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جنت کے جوڑوں میں سے ایک جوڑا پہنایا جائے گا۔پھر میں عرش کی دائیں جانب کھڑوں گا کہ میرے سوا کوئی اس جانب کھڑا نہیں ہوگا۔ لمعات میں یہ مقام غالباً مقام محمود ہے۔ایک تفسیر میں ابن مسعود مجاہد سے مقام محمود پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عرش بٹھایا جانا مراد ہے، جبکہ تفسیر ابن عباسؓ میں کرسی پر بٹھلایا جانا، مواہب میں مع مالہ وماعلیہ وارد ہے۔ابن مسعودؓ کی حدیث میں جسے دارمی نے روایت کیا ہے، مجھے ابراہیم علیہ السلام کے بعد لباس پہنایا جائے گا۔خود اس حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبر سے نکلنے کا وقت نہیں ہے، بلکہ میدانِ قیامت کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس میں ہے، ویجائ بکم حفاۃ، لہٰذا اس کی وضاحت یوں ہوسکتی ہے کہ ایک لباس تو قبر سے نکلنے سے پہلے پہنایا جائے گا، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہیں۔ پھر قبر سے نکلنے کے بعد ایک لباس پہنایا جائے گا۔اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام مقدم ہوں گے۔ اس کی وجہ بہ قول چند مورخین کے یہ ہوسکتی ہے کہ انھیں نمرود نے اضافی کپڑے اتار کر آگ میں ڈالا تھا۔یہ اس کا صلہ ہو۔ بہ ہر حلا، زمین کھلنے کے بعد لباس عطا ہونے میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مقدم ٹھہرے۔

آٹھویں روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کے وسط میں پل صراط قائم کیا جائے گا۔پھر تمام رسولوں میں سب سے پہلے میں اپنی امت کو وہاں سے لے کر گزروں گا۔

نویں روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کا ایک حوض ہوگا اور وہ سب اس پر فخر کریں گے کہ کس کے حوض پر زیادہ لوگ آتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میرے حوض پر لوگ بہت آئیں گے۔ (کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سب سے زیادہ ہوگی۔) اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض پر سب سے زیادہ رونق ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دسویں روایت: حضرت انسؓ سے مروی ایک طویل روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اِذن بالشفاعت کے بارے میں) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حمد وثنا کے ایسے مضامین میرے قلب میں ڈالیں گے کہ اب میرے ذہن میں حاضر نہیں۔

یہ علمی فضیلت آپ کی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دن ظاہر ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق ایسی وسیع معلومات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوں گی۔

جنت کے خاص فضائل

پہلی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آؤں گا اور وہ کھلواؤں گا۔ خازنِ جنت پوچھے گا کہ آپؐ کون ہیں؟ میں بتاؤں گا کہ میں محمدؐ ہوں۔ وہ کہے گا کہ آپؐ ہی کے بارے میں مجھے حکم ہوا ہے کہ یہ دروازہ آپؐ سے پہلے کسی کیلئے نہ کھولوں۔

دوسری روایت: ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کوثر کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ جنت میں ایک نہر ہے جو میرے رب نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ یہ نہر دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔ حضرت عائشہؓ سے جو روایت ہے، اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس نہر کے دونوں کناروں پر مجوف موتی ہیں۔ اس میں پانی پینے کے برتن اتنے زیادہ پڑے ہوئے ہیں کہ جتنے ستارے۔ یہ نہر جنت کے وسط

میں ہوگی۔اس کے دونوں کناروں پر موتی اور یاقوت کے محل ہیں۔اس کی مٹی مشک ہے۔ اس ک سنگ ریزے موتی اور یاقوت ہیں۔

احمد، ابن ماجہ اور ترمذی میں حضرت عبداللہ ابن عمر کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے۔اس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں۔اور پانی موتیوں پر چلتا ہے۔جبکہ ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ جنت میں ایک نہر ہے۔اس کی گہرائی ستر ہزار فرسخ ؟؟ ہے اور اس ے دونوں کنارے موتی، زبرجد اور یاقوت کے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان سے قبل انبیا کو اس کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔

ترمذی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوثر جنت میں ایک نہر ہے جس میں ایسے پرندے ہیں جیسے اونٹوں کی گردنیں۔حضرت عمرؓ نے عرض کیا، وہ تو بہت لطیف ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے کھانے والے ان سے بھی زیادہ لطیف ہیں۔

بخاری کی روایت کے مطابق، اس حوض میں اسی نہر سے پانی گرے گا۔مسلم کی روایت کے مطابق، دو پرنالوں سے ایک چاندی کا اور ایک سونے کا ہوگا۔جنت کا پانی اس حوض میں پہنچے گا۔

تیسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم موذن کی آواز سنا کرو تو جو وہ کہے، تم بھی کہا کرو۔پھر مجھ پر درود بھیجا کرو۔کیوں کہ جو شخص پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔پھر میرے لیے وسیلے کی دعا کیا کرو۔یہ وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے کہ تمام بندگانِ خدا میں سے اس کا مستحق ایک ہی بندہ ہے۔اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا۔

چوتھی روایت: حضرت عبداللہ ابن عباس سے آیت ولسوف یعطیک ربک فترضی کی

تفسیر میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہزار محل جنت میں دیے ہیں۔اور ہر محل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مطابق ازواج اور خادم ہیں۔

پانچویں روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سب سے پہلے جنت کا حلقہ بناؤں گا تو اللہ تعالیٰ میرے لیے دروازہ کھول دیں گے۔اور مجھے اس میں داخل فرمائیں گے۔میرے ساتھ میری امت کے فقرا مومنین ہوں گے۔

چھٹی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ابوبکر اور عمر، سوائے انبیاو رسل کے، تمام اگلے پچھلے میانہ عمر اہل جنت کے سردار ہوں گے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے دو افراد کا امت کا تمام اولین وآخرین میں سردار ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت خاص ہے جو جنت میں ظاہر ہوگی۔

ساتویں روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات ایک فرشتہ ایسا آیا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔اس لیے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ مجھ کو سلام کرے اور مجھے بشارت دے کہ فاطمہ تمام اہل جنت کی خواتین کی سردار ہوں گی۔اور حسن اور حسین تمام اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہوں گے۔

خاتم الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ان حضرات کا جنت میں نوجوانوں کا سردار ہونا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت خاصہ ہے۔

تمام مخلوقات سے افضل تر ہونا

پہلی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اولین وآخرین میں سب سے زیادہ مکرم ہوں۔

دوسری روایت: شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس براق حاضر کیا گیا۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہونے لگے تو وہ شوخی کرنے لگا۔حضرت

جبریل علیہ السلام نے اس سے کہا کہ کیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شوخی کرتا ہے کہ ایسا کوئی شخص تجھ پر سوار ہی نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اِن سے زیادہ مکرم اور ع محترم ہو۔ پس، وہ (شرمندگی کے مارے) پسینا پسینا ہو گیا۔

تیسری روایت: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم (شب معراج میں) بیت المقدس تشریف لائے اور نماز پڑھنے کیلئے کھڑے ہوئے تو تمام انبیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم راہی میں نماز پڑھنے لگے۔ ابوسعید کی روایت میں ہے کہ بیت المقدس میں داخل ہو کر فرشتوں کے ساتھ نماز ادا کی۔ پھر انبیا علیہم السلام کی روحوں سے ملاقات ہوئی۔ اور سب نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد اپنے اپنے فضائل بیان کیے۔ اس کے بعد جب آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کی نوبت آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فضائل بیان فرمائے جیسے رحمۃ للعالمین ہونا، پوری انسانیت کیلئے نبی بنا کر بھیجا جانا، اپنی امت کا آخری امت ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا خیر امت ہونا، اور اپنا خاتم الانبیا ہونا۔ یہ خطبہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام انبیا سے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان فضائل کی وجہ سے آپ سب سے بڑھ گئے۔

چوتھی روایت: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیا پر بھی فضیلت دی اور آسمان والوں (فرشتوں) پر بھی۔ (اور پھر اس پر قرآن میں دلیل دی)۔

پانچویں روایت: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے (ایک بار اپنے کلام میں) فرمایا کہ بنی اسرائیل کو مطلع کر دو کہ جو شخص مجھ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منکر ہوگا تو میں اسے دوزخ میں داخل کروں گا، خواہ وہ کوئی ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، احمد کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا، قسم ہے میرے عزت وجلال کی، میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں جو میرے نزدیک اُن سے زیادہ مکرم ہو۔ میں نے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ عرش پر آسماوزمین اور سورج چاند

پیدا کرنے سے بیس لاکھ سال پہلے لکھا تھا۔قسم ہے میرے عزت وجلال کی کہ میری جنت حرام ہے جب تک محمدؐ اور اُن کی امت اس میں داخل نہ ہو جائیں (پھر امت کے فضائل کے بعد ہے کہ) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، اے اللہ مجھے اس امت کا نبی بنا دیجیے۔ ارشاد ہوا، اس امت کا نبی اسی امت میں سے ہوگا۔عرض کیا، تو مجھے اس نبی کی امت میں سے بنا دیجیے۔ ارشاد ہوا، تم پہلے ہوگئے، وہ پیچھے ہوں گے۔ البتہ تمہیں اور انھیں دارالجلال (جنت) میں جمع کر دوں گا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت

یہ نکتہ واضح رہنا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات کا انحصار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت عبدیت و رسالت پر ہے جن کے بارے میں بہت سی آیات و احادیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔لہٰذا، نماز کے تشہد میں دونوں کو جمع فرما دیا گیا ہے۔البتہ، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمالاتِ رسالت سے تنقیص کر کے بالکل دیگر انسانوں کی طرح سمجھنا کفر یا بدعت ہے، ایسے ہی کمالاتِ عبدیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں بلند کر کے خدائی اوصاف تک لے جانا شرک اور گناہ ہے۔توازن اصل ہے۔ یہ باب اسی غرض سے تحریر کیا گیا ہے تاکہ عوام میں جو افراط وتفریط پایا جاتا ہے، اسے دور کیا جائے۔

پہلی روایت: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مجھے اتنا مت بڑھا دو جیسا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کو بڑھا دیا (کہ اللہ تعالیٰ کی خوبیوں کو اُن میں ثابت کرنے لگے)۔ میں تو اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہوں۔لہٰذا، تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو (الوہیت ثابت نہ کرو)۔

دوسری روایت: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرضِ وفات میں کہا کرتے تھے کہ میں نے جو کھانا (زہر آلود) خیبر میں کھا لیا تھا، ہمیشہ اس کی تکلیف

(کچھ نہ کچھ) پاتا رہا، اور اب اس زہر سے میری رگِ قلب کٹ گئی۔

تیسری روایت: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کیا گیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اس کے اثر سے) یہ خیال ہوجاتا تھا کہ میں فلاں دنیوی کام (جیسے کھانا پینا وغیرہ) کر چکا ہوں، حال آنکہ وہ نہ کیا ہوتا۔

چوتھی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ سہو کے بارے میں فرمایا کہ میں انسان ہوں۔ جیسے تم بھولتے ہو، میں بھی بھولتا ہوں۔ لہٰذا جب میں بھول جایا کروں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔

پانچویں روایت: جس حدیث میں بعض لوگوں کا حوضِ کوثر سے ہٹایا جانا ذکر ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں کہوں گا کہ یہ تو مجھ سے مناسبت رکھنے والے (یعنی مومنین) ہیں۔ (فرشتوں کی طرف سے) جواب دیا جائے گا، کیا آپؐ کو معلوم کہ آپؐ کے بعد انھوں نے کیا کیا؟ انھوں نے (دین میں) ایجادات کیے۔

ان احادیث مبارکہ سے پتا چلتا ہے کہ شرعی حدود سے افراط وتفریط کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ نہ مثبت کی نفی کی اجازت ہے اور نہ منفی کے اثبات کی اجازت ہے۔ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (سورۃ البقرہ، 229)

ترجمہ: یہ اللہ کی حدیں ہیں سو ان سے تجاوز نہ کرو، اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا سو وہی ظالم ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اپنی امت سے

گزشتہ ابواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اوصاف اور خوبیاں بیان کی گئی تھیں۔ اس باب میں ہم دیکھیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کے ساتھ،

خاص کردہ غلام جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خدمت نہیں کی، کیا معاملہ کیا۔

پہلی روایت: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ ایک رات ایک ہی آیت پڑھتے رہے۔ لوگوں نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ حضرت ابوذر نے بتایا کہ یہ آیت تھی اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ‌ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ (سورۃ المائدہ، 118) [ترجمہ: اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں، اور اگر تو انہیں معاف کر دے تو بے شک تو زبردست حکمت والا ہے۔] اس طرح، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کیلئے دعا فرمائی۔

دوسری روایت: حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام اپنی امت کیلئے مغفرت کی دعا فرمائی۔ یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ سب گناہوں کی مغفرت کرتا ہوں سوائے حقوق العباد کے کہ ظالم سے مظلوم ک حقوق ضرور وصول کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے رب، اگر آپ چاہیں تو مظلوم کو جنت دے کر ظالم کو بخش دیں۔ اس شام تو یہ دعا منظور نہیں ہوئی، جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو پھر دعا منظور ہو گئی۔

اس پر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اس مسکراہٹ کا سبب پوچھا۔ جب دشمن شیطان کو یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمالی اور میری امت کی مغفرت فرمادی تو وہ خاک لے کر اپنے سر پر ڈالنے لگا اور واویلا مچانے لگا۔ اس کی گھبراہٹ کو دیکھ کر ہنسی آ گئی۔

تیسری روایت: طائف کے سفر کے دوران جب وہاں کے کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید تکلیف پہنچانی شروع کی تو حضرت جبریل علیہ السلام پہاڑوں کے فرشتے کو لے کر نازل ہوئے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر ان کفار کو ہلاک کر دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں، مجھے ان لوگوں کی اگلی نسلوں سے امید ہے کہ

وہاں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کا ذکر توحید کے ساتھ کریں گے۔

چوتھی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھ سے شدت کے ساتھ محبت رکھنے والے (بعض حیثیات سے) وہ لوگ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے کہ اُن میں سے ہر شخص تمنا کرے گا کہ اپنے تمام مال واولاد کے بدلے مجھے دیکھ لے۔

یعنی اگر اُس سے کہا جائے کہ اپنے تمام اہل خانہ اور دولت سے دست بردار ہوجائے اورع اس کے بدلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مل جائے تو وہ خوشی خوشی اس پر راضی ہوجائے گا۔

پانچویں روایت: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ، میں بشر ہوں۔ مجھے دیگر انسانوں کی طرح غصہ آتا ہے۔ میں جس مومن مرد یا مومن عورت کیلئے بددعا کروں (غصے میں) تو میری اس بددعا سے اس شخص کا تزکیہ اور تطہیر کردیجیے۔

چھٹی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کاش، ہم اپنے بھائیوں کو دیکھتے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ، کیا ہم لوگ آپؐ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم تو میرے دوست ہو۔ میرے بھائی وہ لوگ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے۔

چونکہ دوست کے ساتھ محبت کی ابتدا صحبت سے ہوتی ہے جبکہ بھائی سے محبت ہونا رویت اور صحبت کے ساتھ مشروط نہیں۔ اس لیے صحابہ کرامؓ کو دوست اور بعد میں آنے والوں کو بھائی فرمانا محبت کے اعتبار سے ہے کہ صحابہ کرام کی محبت ان کے ساتھ صحبت و رویت کی وجہ سے ہوئی جبکہ بعد میں آنے والوں کو تو دیکھا ہے اور نہ ان کے ساتھ بیٹھک ہوئی ہے۔ اس کے باوجود اُن سے محبت ہے۔

ساتویں روایت: صحابہ کرام نے سوال کیا کہ کیا کوئی ہم سے بھی بہتر ہے کہ ہم

ایمان لائے اور جہاد کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں،ایک قوم ہے جو تمہارے بعد ہوں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے۔حالانکہ انھوں نے مجھے دیکھا بھی نہ ہوگا۔

اس بہتر ہونے کی وجہ بیان کردی گئی ہے،لیکن اس کے باوجود اس کا مطلب یہ نہیں کہ بعد کے مسلمان صحابہ کرام سے بہتر ہو گئے (نعوذ باللہ) کیوں کہ ہمیں ایمان کی دولت صحابہ کرام ہی کے ذریعے ملی ہے۔نیز،دیگر احادیث میں صحابہ کرام کے بہت سے فضائل آئے ہیں جو بعد کے مسلمانوں میں کسی طرح بھی پائے نہیں جاسکتے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق،اُمت کے ذمے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ حقوق امت کے ذمے ہیں۔ان حقوق میں سب سے بڑا حق اصول وفرع میں محبت واتباع ہے۔جاننا چاہیے کہ کسی سے محبت اور اس کی اتباع کے تین اسباب ہوتے ہیں۔ایک،محبوب کا کمال جیسے عالم سے محبت یا بہادر آدمی سے محبت۔دوسرے،محبوب کو جمال جیسے کسی حسین سے محبت ہوجاتی ہے۔تیسرا،احسان اور عطا جیسے کوئی کسی کی ضرورت پوری کردے یا انعام دے تو اس سے محبت ہوجاتی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ میں تینوں وصف انتہائی درجے میں موجود تھے۔چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام وصف انتہائی درجے موجود ہیں تو امت کے مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلا درجے کی محبت ہونی چاہیے۔اگر شرعی حکم نہ موجود ہوتا تو عقلی اور منطقی لحاظ سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایک انسانی تقاضا بن جاتا ہے (کیوں کہ دنیا میں بھی آپ دیکھتے ہیں کہ جب کسی آدمی میں کوئی غیر معمولی خوبی پائی جاتی ہے تو لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں)۔

اس کے علاوہ جس کسی سے جس درجے کی محبت ہوگی،اگر وہ رتبے میں بڑا ہے تو اسی درجے کی پیروی بھی ہوگی۔

پہلی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک میں اس کے نزدیک اس ک والد اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

یعنی میری چاہتیں اور دوسروں کی چاہتوں میں سے جس کی چاہت کو ترجیح دی جائے گی، اسی سے محبت کی یہ علامت ہوگی۔

دوسری روایت: حضرت عمرؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ، آپؐ میرے نزدیک ہر چیز سے یادہ محبوب ہیں، سوائے میرے نفس کے جو میرے پہلو میں ہے (یعنی اس کی چاہتیں چھوٹے نہیں چھوٹ پاتیں)۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ پر کتاب نازل فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک میرے اس نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں ج میرے پہلو میں ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بس، اب بات ٹھیک ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے اول محبت بلا اسباب کو محبت بالا سباب سے قوی سمجھ کر نفس کو مستثنا کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے کہ اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب رکھنا ضروری ہے، وہ سمجھ گئے کہ عزیز تر ہونے کی بنیاد کوئی ایسی شے ہے جو اس کے اعتبار سے ہر نفس سے بھی زیادہ محبوب ہو۔ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت کی عجیب وغریب واقعات ملتے ہیں۔

تیسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی، مگر جس نے میرا کہنا قبول نہیں کیا۔ عرض کیا گیا، قبول کس نے نہیں کیا؟ فرمایا، جس نے میری اطاعت کی، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے قبول نہیں کیا۔

چوتھی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری سنت سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی۔ وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے محبت کی جائے۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی فضیلت بھی ثابت ہوئی کہ یہ جنت کی چابی ہے۔ ساتھ ہی جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کا ذریعہ بھی ہے۔

پانچویں روایت: ایک شخص کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے کے جرم میں سزا دی۔ وہ ایک دن پھر حاضر کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سزا دی۔ اس پر ایک شخص نے مجمع میں کہا کہ اس پر اللہ کی لعنت کہ کتنی کثرت سے اسے مقدمہ کیلئے لایا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر لعنت مت کرو، واللہ میرے علم کے مطابق، یہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہے۔

اس حدیث سے چند پہلو پتا چلے۔

ایک تو گناہ گاروں کو یہ خوش خبری کہ ان کے گناہ کی وجہ سے اُن سے اللہ اور رسول کی محبت منفی نہیں کی گئی۔

دوسرے، گناہ گاروں کو یہ تنبیہ کہ صرف محبت کا دعوا سزا سے بچنے کیلئے کافی نہیں ہے، اس لیے اس ناز میں نہ رہے کہ بس محبت کا نعرہ، اطاعت عملی کے بغیر جہنم سے بچالے گا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید یہ ضرور ہونی چاہیے کہ ہمیں دوزخ سے خلاصی مل جائے۔ کیوں کہ ہم کتنے ہی اعمال کرلیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کے بغیر جنت میں جانا ممکن نہیں ہے۔ البتہ اس محبت کی وجہ سے ہم جہنم کی سزا سے بچائے جاسکیں گے، اس کی امید ہونی چاہیے۔

تیسری فضیلت محبت کی واضح ہے۔

چوتھے، محبت میں مرتبوں کا فرق کہ گناہوں کے باوجود محبت کرنے کا حکم دیا گیا۔اس سے ثابت ہوا کہ اگر مکمل اطاعت نہ ہو، تب بھی اسے کافر نہیں کہا جا سکتا۔ انتہائی کم درجے کی محبت بھی ایمان کی دلیل ہوگی۔

پانچویں، مومن خواہ کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو، اس پر لعنت نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے اللہ اور رسول کی محبت کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت واحترام وادب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے حقوق ہیں اور اس باب میں اس حوالے سے چند آیات وروایت ذکر کی جارہی ہیں۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَن يَتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَن نَّفْسِهِ [سورہ توبہ، 120]

ترجمہ: مدینہ کے باشندوں اور اُن کے اردگرد کے دیہات کے رہنے والوں کیلئے یہ جائز نہیں تھا کہ اللہ کے رسول (کا ساتھ دینے سے) پیچھے رہیں، اور نہ یہ جائز تھا کہ اُن کی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جان سے بے فکر ہو بیٹھیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۗءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ [سورۂ نور، 62،63]

ترجمہ: مومن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول کو دل سے مانتے ہیں، اور جب رسول کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں شریک ہوتے ہیں تو اُن سے اجازت لیے بغیر

کہیں نہیں جاتے۔(اے پیغمبر) جو لوگ تم سے اجازت لیتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو دل سے مانتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ اپنے کسی کام کیلئے تم سے اجازت مانگیں تو اُن میں سے جن کو چاہو، اجازت دے دیا کرو۔ اور اُن کیلئے اللہ سے مغفرت کی دعا کیا کرو۔ یقیناً، اللہ بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔(اے لوگو) اپنے درمیان رسول کے بلانے کو ایسا (معمولی) نہ سمجھو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلا لیا کرتے ہو۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمًا () (سورہ احزاب، 53)

ترجمہ: اور تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ اُن کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین بات ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا () لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا () (سورہ فتح، 8، 9)

ترجمہ: (اے پیغمبر) ہم نے تمہیں گواہی دینے والا، خوش خبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ (اے لوگو) تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اس کی مدد کرو، اس کی تعظیم کرو، اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو۔

پہلی روایت: ایک نابینا کی ایک والدہ تھی جو جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ہودہ حکایت کہا کرتی اور گستاخی کیا کرتی تھی۔ وہ نابینا منع کرتے تب بھی وہ باز نہ آتی۔ وہ اسے ڈانٹتا، مگر وہ نہ مانتی۔ ایک رات اس نے ایسے ہی کچھ بکنا شروع کیا تو اس نابینا نے ایک چھرا لے کر اس کے پیٹ پر رکھ کر بوجھ دیا اور یوں وہ ہلاک ہوگئی۔ صبح کو تحقیق ہوئی۔ اس نابینا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا اقرار کیا اور تمام قصہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب گواہ رہو کہ اس کا خون رائیگاں گیا۔

دوسری روایت: غزوۂ حدیبیہ وصلح کے ذیل میں ایک طویل میں یہ بھی آیا ہے کہ جب رؤیس مکہ عروہ بن مسعود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفت وشنید کے بعد واپس مکہ گئے اور وہاں جا کر انھوں نے لوگوں سے بیان کہ اے میر قوم، واللہ میں بادشاہوں کے پاس گیا ہوں اور قیصر وکسرا ونجاشی کے پاس گیا ہوں، واللہ، میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے مصاحب اس کی اس قدر تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ان کی کرتے ہیں۔ واللہ، جب وہ کھنکار پھینکتے ہیں تو کسی نہ کسی کے ہاتھ میں پہنچتی ہے۔اور وہ اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے۔اور جب وہ کسی کو کوئی حکم دیتے ہیں تو وہ اُن کے حکم کی طرف دوڑتا ہے۔اور جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) وضو کرتے ہیں تو ان لوگوں کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وضو کا پانی لینے کیلئے گویا اب لڑ پڑیں گے۔اور جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کلام کرتے ہیں تو وہ لوگ اپنی آوازوں کو آپؐ کے سامنے پست کر لیتے ہیں۔وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف تیز نگاہ سے دیکھتے تک نہیں۔

اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ صحابہ کرام کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کیا کرتے تھے۔

تیسری روایت: امام احمد برا ابن عازب سے مروی ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں گئے اور قبر تک پہنچے۔ابھی مُردہ قبر میں نہیں رکھا گیا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے۔ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرداگرد اس طرح بیٹھ گئے جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس انداز سے بیٹھنا، صحابہ کا معمول تھا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی ادب واحترام کیا کرتے تھے۔اس سلسلے میں بے شمار روایات ہیں۔علما نے وضاحت کی ہے کہ یہ آداب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بعد بھی باقی ہیں۔چنانچہ مواہب میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

آواز کے مقابلے میں اپنی آواز کا بلند کرنا اپنے اعمال کے ختم ہونے کا باعث ہوسکتا ہے تو اپنی رائے اور خواہش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حکم سے بڑھانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بغیر اجازت جانا جائز نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تفاصیل دین سے گریز کرنا کیسے جائز ہوگا؟

حتیٰ کہ قبر مبارک کے قریب بھی یہ آداب جاری ہیں۔ امیر المومنین ابوجعفر نے امام مالک سے کسی مسئلے کے بارے میں مسجد نبویؐ میں گفتگو کی تو امام مالک نے فرمایا کہ اے امیر المومنین آپ کو کیا ہوا؟ اس مسجد میں آواز بلند نہ کیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام بعد وفات بھی وہی ہے جو زندگی کی حالت میں تھا۔ لہٰذا ابوجعفر خاموش ہوگئے۔

اس کی تائید حضرت عمرؓ کے اس قول سے ہوتی ہے جو آپؓ نے اہل طائف کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اپنی آواز بلند کرتے ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام، مقام، کلام، احکام، سب کی تعظیم لازمی ہے۔

چوتھی روایت: حضرت ابوہریرہؓ سے ایک یہودی اور مسلمان کے جھگڑے کے قصے میں روایت ہے کہ مسلمان نے اپنی قسم میں کہا کہ قسم اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم پر برگزیدہ بنایا۔ یہودی نے کہا کہ قسم اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام عالم پر برگزیدہ بنایا۔ مسلمان نے ایک طمانچا یہودی کے منہ پر دے مارا۔ یہودی نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کردی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان سے تحقیق کی تو اس نے یہ قصہ عرض کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم مجھے عیسیٰ علیہ السلام پر ایسی فضیلت مت دو (جس میں اُن کی بے ادبی کا شائبہ ہو جیسا کہ فضیلت بیان کرتے کرتے لڑائی جھگڑے تک نوبت پہنچ جائے)۔

پانچویں روایت: ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور

عرض کیا، جانیں مصیبت میں آگئیں، بال بچے بھوکے مرنے لگے، اموال تباہ ہونے لگے اور مویشی ہلاک ہونے لگے۔ لہٰذا، آپؐ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے بارش کی دعا کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نزدیک شفیع لائے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جملے سے مضطرب ہوئے اور سبحان اللہ سبحان اللہ فرمانے لگے۔ اتنی زیادہ بار یہ تسبیح فرمائی کہ اس کا اثر صحابہ ک چہروں پر دیکھا گیا۔ پھر فرمایا، کم بختی مارے، اللہ تعالیٰ کو کسی کے نزدیک سفارشی نہیں لایا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت زیادہ عظیم ہے۔

گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن شفیع ہوں گے، لیکن وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے۔ بلکہ شفاعت کی سفارش کرنے والے ہیں اور وہ خود اس کے محتاج ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت کی درخواست کریں گے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار شفاعت کی سفارش کا اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، لیکن خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہ اقدام اس قدر گراں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اہتمام سے روکا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے کی فضیلت

پہلی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور اس سے دس گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

دوسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قربت رکھنے والا وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجنے والا ہوگا۔

تیسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے فرشتے زمین پر سفر کرتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے

ہیں۔

چوتھی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ذلیل وخوار ہو، جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

اس حدیث کی روشنی میں محققین نے لکھا ہے کہ ایک مجلس میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی سن کر ایک مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے۔ بار بار ذکر ہو تو ہر تذکرے پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

پانچویں روایت: حضرت ابی بن کعب سے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ، میں آپؐ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں۔ مجھے یہ بتلا دیجیے کہ میں اس کا کس قدر معمول رکھوں (یعنی باقی اوراد کے مقابلے میں درود کی کیا نسبت ہو؟)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس قدر چاہو۔ میں نے عرض کی، کیا ایک ربع (یعنی وظیفے کے کل وقت کا چوتھائی۔ مثلاً کل وظیفے کا تین گھنٹے ہو تو پون گھنٹہ درود کیلئے رکھ دوں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو چاہو۔ اور اگر بڑھا لو تو وہ تمہارے لیے اور بھی بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ نصف؟ (مثلاً اگر وظیفے کا کل دورانیہ تین گھنٹے ہو تو ڈیڑھ گھنٹہ درود کیلئے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چاہو۔ اور اگر بڑھا لو تو وہ تمہارے لیے اور بھی بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا، میں تمام وظیفہ ہی درود کا کرلوں گا (یعنی پورا وقت درود شریف ہی پڑھوں گا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تو اس صورت میں تمہارے تمام افکار کی کفایت کی جائے گی اور تمہارا گناہ معاف کیا جائے گا۔

چھٹی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا کہ آپؐ کے رب کا ارشاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو شخص درود بھیجے گا، اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا۔ اور جو شخص سلام بھیجے گا، اس پر دس سلام بھیجوں گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی درود شریف میں صلاۃ وسلام دونوں ہوں تو وہ ایک بار پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیس عنایتیں (رحمتیں) نازل ہوتی ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

ساتویں روایت: حضرت عمرؓ بن خطاب سے مروی ہے کہ دعا آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتی ہے (مقام قبولیت تک نہیں پہنچتی)، یہاں تک کہ جب تک اپنے نبی پر درود نہ پڑھ لیا جائے۔

ان فضائل کے بعد اس حکم کی بعض حکمتیں لکھنا بھی مناسب لگتا ہے۔

پہلی حکمت: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسابات امت پر بے شمار ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تبلیغ پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ لوگوں کی اصلاح کیلئے تدبیریں سوچیں۔ اُن کیلئے رات رات بھر کھڑے ہو کر دعائیں کیں۔ ان کے احتمالِ مضرت؟؟ سے غم گین ہوئے۔ اگرچہ تبلیغ ذمے تھی، لیکن اس میں اس نعمت کا ذریعہ تو بنے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محسن ہیں اور احسان کا واسطہ بھی۔ عام مشاہدہ ہے کہ ایسی ذات کیلئے فطرتاً دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ خاص طور پر، جب معاملات غیر معمولی ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور حالات تو آپ صلی اللہ علیہ ہی سے خاص ہیں، عام نہیں۔ کسی غیر نبی سے ان کا ظہور ممکن نہیں ہے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے دعائے رحمت اس احسان کا متبادل تو نہیں، اس کی تسلیم ہو سکتی ہے۔ پھر، دعائے رحمت سے بڑھ کر کوئی دعا نہیں ہے۔ اور درود شریف میں رحمت عامہ وخاصہ، دونوں کی دعا شامل ہے۔

دوسری حکمت: چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور جو شخص کس کا محبوب ہوتا ہے تو اس کی نسبت سے اگر کسی سے سفارش کی جائے تو گویا ان دونوں کے مزید قرب کا ذریعہ ہوتا ہے۔

تیسری حکمت: اس درخواست میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ خاص یعنی کامل عبدیت کا بھی اظہار ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رحمتِ الٰہی کی ضرورت ہے۔

چوتھی حکمت: چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشریت و مادیت وعنصریت میں اپنی امت کی طرح ہیں جبکہ بعض عوامل جیسے کثرتِ مال وغیرہ میں دوسروں کے برابر نہیں تو اس سے ذہنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسابقہ کی صورت آسکتی تھی، لیکن درود شریف کے ذریعے امت کو اعتقادِ عظمت اور اتباعِ ملت کو لازم کر دیا گیا۔ درود شریف میں اس کا مکمل حل ہے، کیوں کہ اس میں رحمت خاصہ کی دعا ہے۔ چنانچہ جب آدمی درود شریف پڑھے گا تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت خاصہ کی طرف توجہ جائے گی۔ اور چونکہ سبھی درود شریف پڑھ سکتے ہیں تو گویا سبھی اس خاص رحمت کے حق دار ہو سکتے ہیں۔

پانچویں حکمت: بعض اولیا کے مزاج میں غلبہ توحید بہت زیادہ ہوتا ہے تو اس سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتقاد مضبوط ہوتا ہے۔ جیسا کہ امام قشیری سے ابوسعید خراز کی حکایت نقل کی گئی ہے کہ انھوں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ، مجھے معذور رکھیے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مجھے آپؐ کی محبت میں مشغول ہونے نہیں دیتی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے مبارک شخص، جو آدمی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، وہ مجھی سے محبت کرتا ہے۔ (کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ میرے ہی ذریعے یہ بات نصیب ہوئی ہے)۔ یہ جاننے کے بعد ممکن نہیں کہ واسطے سے محبت ہو مگر توجہ نہ ہو۔ اس لیے ضروری نکتہ محبت ہے، نہ کہ توجہ۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ، دعا کے وقت

جس طرح درود شریف کا مقصد قربت ہے، یہ توسل یا وسیلہ مقصد نہیں ہے۔ البتہ دونوں صورتوں میں درود شریف ایک خاصیت ہے کہ یہ دعا کی قبولیت کا سبب ہے۔ اس لیے درود شریف کے ذکر کے بعد اس کا ذکر بہتر معلوم ہوا۔

پہلی روایت: ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ دعا کر دیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے عافیت دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو چاہے تو اس کو ملتوی رکھوں اور یہی زیادہ بہتر ہے، اور اگر تو چاہے تو دعا کر دوں۔ اس نے عرض کیا، دعا کر دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے۔ پھر دو رکعت پڑھے۔ پھر یہ دعا کرے:

اللّٰھم إنی أسألك وأتوجه إليك بنبيك محمد نبی الرحمة، إنی توجهت بك إلى ربی فی حاجتی هذه لتقضی لی، اللّٰھم فشفعه فی

ترجمہ: اے اللہ، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں بہ وسیلہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی رحمت کے... اے محمدؐ، میں آپؐ کے وسیلے سے اپنی اس حاجت میں میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ حاجت پوری ہو۔ اے اللہ، آپؐ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرمائیے۔

اس روایت سے توسل (وسیلہ) ثابت ہوا۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص کیلئے دعا کرنا کہیں منقول نہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح کسی کی دعا کا توسل جائز ہے، ایسے ہی دعا میں کسی کی ذات کا توسل بھی جائز ہے۔ دعا میں توسل کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ، فلاں بندہ آپ کا مورد رحمت میں ہے تو اس مورد رحمت سے محبت اور اعتقاد رکھنا بھی موجب رحمت ہوتا ہے، لہٰذا ہم پر بھی رحمت فرما۔

دوسری روایت: جب مدینہ میں قحط ہوا تو حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے واسطے سے بارش کی دعا کی۔ فرماتے تھے کہ ہم اے اللہ، ہم پہلے آپ کے دربار میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل کیا کرتے تھے، آپ ہم کو بارش دیتے تھے۔ اور اب ہم آپ کے دربار میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا توسل کرتے ہیں۔ ہم کو بارش دیجیے۔ چنانچہ بارش ہوتی تھی۔

تیسری روایت: مدینہ میں سخت قحط ہوا تو لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے شکایت کی۔ آپؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو دیکھ کر اس کے مقابل آسمان کی طرف اس میں ایک سوراخ کردو، یہاں تک کہ اس کے اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تو بہت زور کی بارش ہوئی۔

اس حدیث سے توسّل بالفعل ثابت ہوا۔ اس کے معنی بھی بہ زبانِ حال سے یہ ہیں کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے جسے ہم تلبس جسد نبوی؟؟ کی وجہ سے مبارک سمجھتے ہیں اور نبی کی ملابس؟؟ چیز کو مبارک سمجھنا اس بات کی علامت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور یہ اعتقاد عمل باعث رحمت و برکت ہے۔ لہٰذا، ہم پر رحم فرمائیے۔

چوتھی روایت: محمد بن حرب ہلال سے روایت کیا گیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک سچی کتاب نازل کی ہے جس میں ارشاد فرمایا ہے... وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (سورۃ النسا، 64)

ترجمہ: اور میں اَب آپؐ کے پاس گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اپنے رب کے حضور میں آپؐ کے وسیلے سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں۔

پھراس نے دوشعر پڑھے۔

محمد بن حرب کی وفات 228 ہجری میں ہوئیٔ۔ گو یا، یہ زمانہ خیرالقرون کا تھا۔ چونکہ اس پر کسی اور سے نکیر منقول نہیں، لہٰذا یہ حجت ثابت ہو گیا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت ذکر وتکرار میں

چونکہ شدت محبت کیلئے کثرتِ ذکر لازم ہے، لہٰذا اگر ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعوا کرتا ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی کثرت سے کرنے کیلئے بے چین رہے گا۔

پہلی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا، میں کون ہوں؟ لوگوں نے عرض کیا، آپؐ رسول اللہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں رسول تو ہوں ہی، مگر دوسرے فضائل حسبی ونسبی بھی رکھتا ہوں۔ چنانچہ میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے خلق کو (کہ جس میں جن وغیرہ بھی شامل ہیں) پیدا کیا اور مجھے ان کے بہترین یعنی انسان میں سے کیا۔ پھر، ان (انسانوں) کو دو فرقوں میں تقسیم کیا (عرب اور عجم)، اور مجھے بہترین فرقہ (یعنی عرب) میں سے کیا۔ پھر، اُن (عرب) کے مختلف قبیلے بنائے، اور مجھے بہترین قبیلے (یعنی قریش) میں سے بنایا۔ پھر، اُن (قریش) کے کئی خاندان بنائے اور مجھے اُن کے بہترین خاندان (یعنی بنی ہاشم) میں بنایا۔ پس، میں اپنی ذات کے اعتبار سے بھی سب میں افضل ہوں اور خاندان کے اعتبار سے بھی سب سے افضل ہوں۔

دوسری روایت: جب سورہ الفتح نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توقف نہیں فرمایا اور جمعرات کے روز باہر تشریف لا کر منبر بیٹھے اور حضرت بلالؓ کو بلا کر فرمایا کہ مدینہ میں اعلان کر دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

وصیت سننے کو جمع ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت بلالؓ نے اعلان کر دیا اور چھوٹے بڑے سب جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر حمد وثنا و صلاۃ علیٰ الانبیا کے بعد فرمایا کہ میں محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ہوں، عربی حرمی مکی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

تیسری روایت: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسانؓ کیلئے مسجد میں منبر رکھتے تھے اور اس پر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور خوبیاں بیان کرتے اور مشرکین کے طعنوں کے جواب دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک حسانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مفاخرت یا مدافعت کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان کی تائید روح القدس سے فرماتا ہے۔

اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کرنا ثابت ہوا، بہ شرط یہ کہ وہ شرعی حدود کے اندر ہو۔

چوتھی روایت: حضرت حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشائل کی نسبت سوال کیا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف کا بہ کثرت ذکر کیا کرتے تھے۔ میں اشتیاق رکھتا تھا کہ وہ میرے سامنے انھیں بیان کریں تا کہ میں انھیں یاد کرلوں۔

اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ اول، حضرت حسنؓ بن علی کا شوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل کا ذکر سننے کا اور دوم، حضرت حضرت ہند کا ذوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل بہ کثرت ذکر کرنے کا۔ ایسے ہی حضرت حسینؓ کا حضرت علیؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ک سیرت مجالست کی نسبت سوال کرنے کا واقعہ بھی ہے۔

پانچویں روایت: ایک مجمع حضرت زید بن ثابت کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ باتیں کیجیے۔ انھوں نے فرمایا، کیا باتیں کروں کہ احاطہ

بیان سے خارج ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ اور تابعین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو سننے کا کتنا شوق پایا جاتا تھا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں

جس آدمی کو بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا نصیب نہ ہو، اس کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوجانا ایک عظیم نعمت اور سرمایۂ تسلی ہے۔ اس کیلئے درود شریف کی کثرت، انتہائی اتباع اور محبت رسول کا غلبہ بہت اہم ہے، لیکن یہ کوئی کلیہ یا لازم نہیں کہ ایسے آدمی کو ضرور زیارت ہوگی۔ اس لیے اگر ایسا نہ ہو تو غم زدہ اور فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اسی میں پوشیدہ ہے۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اگر زیارت ہوگئی، لیکن اطاعت نبویؐ سے رضا حاصل نہ کی گئی تو یہ نجات کیلئے کافی نہ ہوگی۔

پہلی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے مجھ ہی کو دیکھا۔ کیوں کہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔

دوسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے مجھے (خواب میں) دیکھا، اس نے امر واقعی دیکھا (یعنی مجھ ہی کو دیکھا)۔

متشرحین نے اس بات میں دو قول ذکر کیے ہیں۔ اول، حلیہ شریف کے مطابق صورت نہ دیکھے، مگر قلب میں یہ بات آجائے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو کیا یہ رویت صحیح ہے یا نہیں۔ جنھوں نے اس کو بھی صحیح کہا ہے، اختلافِ صورت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یا تو یہ دیکھنے والے کی کمی ہے کہ جیسے غیر شفاف آئینے میں صاف چہرہ بھی صاف دکھائی نہیں دیتا۔ یا بعض آئینوں میں چہرہ ٹیڑھا دکھائی دیتا ہے۔

تیسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص مجھے خواب میں دیکھے، وہ مجھے بیداری میں دیکھے گا۔ اور شیطان میری صورت میں نہیں آ سکتا۔

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے والے کیلئے حُسن خاتمہ کی بشارت ہے۔ بزرگانِ دین نے ایسے خواب کی یہی تعبیر دی ہے کہ اس شخص کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کہ ''وہ بیداری میں بھی دیکھے گا'' یعنی مجھ سے آخرت میں قرب ہوگا کے معنی بھی یہی ہیں۔

وضاحت: اگر خواب میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ارشاد فرمائیں تو اگر وہ کام شرع کے مطابق ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر وہ شرع کے خلاف ہے تو اُسے خواب دیکھنے والے کی غلطی مانا جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر ایک عمل خواب دیکھنے سے پہلے بھی جائز تھا تو اس خواب کا کیا نتیجہ ہوا؟ دراصل، خواب سے اس فرد کیلئے اس عمل کی تاکید اور اہمیت مزید بڑھانے کا مقصود ہو سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

صحابہ کرام، اہل بیت اور علما کی محبت وعظمت

صحابہ کرام اور اہل بیت اور علما کرام کی عظمت ومحبت کی وجہ ظاہر ہے کہ محبوب کے متعلقین بھی طبعاً محبوب ہوتے ہیں۔ خاص کر وہ متعلقین جو محبوب کو بھی محبوب ہوں اور اُن کی تعریف بھی اس نے کی ہو۔ نیز، محبوب نے بھی اس کا حکم دیا ہو تو وہ شرعاً بھی محبوب ہوں گے۔ ایسی حالت میں کہ جب محبوب تک رسائی بھی نہ ہو تو محبوب کے متعلقین ہی کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔

اس اسباب کی بنیاد پر یہ سمجھنا ممکن ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعوائے محبت کرتے ہوں، لیکن ان کا کوئی تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین سے نہ ہو۔ پھر یہ دعوائے محبت غلط ہوگا۔

پہلی روایت: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اصحاب کا اکرام کرو کہ وہ تم سب میں سب سے بہتر ہیں۔

دوسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ سے ڈرو اور اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو اعتراضات کا نشانہ مت بنانا۔ جو شخص ان سے محبت رکھے گا، وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا۔ اور جو شخص اُن سے بغض رکھے گا، وہ میری وجہ سے اُن بغض رکھے گا۔ اور جو انھیں ایذا دے گا، اس نے مجھے ایذا دی۔ بہت جلد اللہ تعالیٰ اس کو پکڑ لے گا۔

جو شخص اُن سے محبت کرے گا کا مطلب ہے کہ ان سے محبت رکھنا اس وجہ سے ہو گا کہ اس شخص کو مجھے سے محبت ہو گی تو ضروری میرے خاص لوگوں سے محبت ہونا بھی لازمی ہے۔ اسی طرح، ان سے بغض رکھنا بھی اس کی علامت ہے کہ چونکہ اس شخص کو مجھ سے بغض ہے اس لیے میرے خاص لوگوں سے بھی اسے بغض ہے۔ کیوں کہ اگر مجھ سے محبت ہوتی تو میرے پیاروں سے بغض کیوں ہوتا۔

تیسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے اصحابؓ کو برا مت کہو، کیوں کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے، تب بھی ان صحابہؓ کے ایک مد (وزن کا قدیم پیمانہ جو ایک کلو سے کچھ کم بنتا ہے) بلکہ نصف مد کے درجے کو بھی نہ پہنچ سکے گا۔ یعنی ثواب میں کبھی برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

فضائل اہل بیت

پہلی روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس لیے بھی محبت رکھو کہ وہ تمھیں نعمتیں کھانے کو دیتا ہے۔ اور مجھ سے محبت رکھو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے (یعنی جب اللہ تعالیٰ وجہ محبت ہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں تو اس

لحاظ سے مجھ سے محبت کی نسبت بھی بنتی ہے۔)

دوسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے کہ میری اہل بیت کی مثال تم میں ایسی ہے جیسے نوح علیہ السلام کی کشتی۔ جو شخص اس میں سوار ہوا، اس کو نجات ہوئی اور جو شخص اس سے جدا رہا، ہلاک ہو گیا۔

یعنی ان کی محبت و اتباع نجات کا سبب ہے اور بغض و مخالفت ہلاکت کا باعث ہے۔

تیسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تم میں ایسی دو چیزیں چھوڑتا ہوں کہ اگر تم ان کو تھامے رہو گے تو ایک دوسرے کبھی جدا نہیں ہو گے۔ ان میں ایک چیز دوسری سے بڑی ہے۔ ایک تو کتاب اللہ کہ وہ رسی ہے آسمان سے زمین تک، اور میری عترت یعنی اہل بیت۔ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوض پر پہنچیں گے۔ لہٰذا، ذرا خیال رکھنا کہ میرے بعد اُن کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہو۔

کتاب اللہ سے مراد شریعت کے احکام ہیں جو دلائل اربعہ؟؟ سے ثابت ہیں۔ ان کے ماخذ صحابہؓ اور اہل بیت سمیت فقہا و محدثین ہیں۔ خود ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اُن دو افراد کا اتباع کرنا جو میرے بعد ہوں گے... ابوبکرؓ اور عمرؓ۔

ایسے ہی ارشاد ہے کہ میرے اصحابؓ ستاروں کی طرح ہیں۔ جس کی بھی پیروی کرو گے، ہدایت پاؤ گے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون (ترجمہ:) اس میں تمام علما شامل ہو گئے۔ جبکہ کتاب اللہ کا اطلاق مطلق شرعی حکم پر خود حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسل نے ایک مقدمے میں فرمایا کہ میں مہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس دلوائی اور ایک شخص کو سو تازیانوں اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا دی۔ اور چونکہ عورت نے خود اپنے جرم کا اعتراف کیا تھا، اس کیلئے رجم تجویز فرمایا۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کسی شخص کے قلب میں ایمان

داخل نہیں ہوگا جب تک تم لوگوں سے (کہ میرے اہل بیت ہو) اللہ اور رسول کے واسطے محبت نہ رکھے۔اس لحاظ سے اس حدیث سے دو نکتے نکلے۔ایک تو یہ کہ شرعی احکام پر عمل کیا جائے اور دوسرے، اہل بیت سے محبت۔

قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو امہات المومنین یعنی مومنوں کی مائیں کہا گیا ہے۔حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خدمت کرنے والے کی تعریف کی ہے۔ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے فرمایا، میرے بعد تم لوگوں کے ساتھ جو شخص سلوک کرے گا، وہ بڑا سچا اور نیکوکار ہے۔

فضائل وارثین انبیا (علما)

جو علما باعمل ہیں اور دین کی اشاعت و خدمت کا کام کرتے ہیں، اہل دین کی روحانی تربیت کرتے ہیں جو اُن کی ذمے داری ہے، انبیا کرام کے علم اور مقام کے وارث ہیں۔ اس کے برخلاف، بے عمل علما کی سخت مذمت بھی کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو شخص اس لیے علم طلب کرے کہ علما سے مقابلہ کرے گا یا جہلا لوگ عا بسے جھگڑا کرے گا یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں داخل کرے گا۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا، جو شخص دین کا علم کسی دنیاوی مقصد کیلئے حاصل کرے گا، وہ قیامت می جنت کی خوش بو بھی نہ پائے گا۔ایک اور حدیث میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے، اس میں ریا کار علما داخل ہوں گے۔

باعمل علما کے فضائل

پہلی روایت: حضرت ابو دردا سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ عالم کیلئے تمام مخلوق آسمان اور زمین کی اور پانی میں مچھلیاں استغفار کرتی ہیں۔ اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت دوسرے ستاروں پر۔ علما وارث ہیں انبیا کے۔ اور، انبیا نے دینار اور درھم (مال و دولت) نہیں چھوڑا۔

دوسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو گروہوں کے پاس سے گزرے جو مسجد نبویؐ میں بیٹھے ہوئے تھے، ان میں ایک مجلس عابدوں کی تھی اور دوسری عالموں کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دونوں اچھے ہیں، البتہ ان میں سے ایک دوسرے کی نسبت بہتر ہے۔ جو لوگ عابد ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور اس کی طرف التجا کرتے ہیں۔ اب، اگر وہ چاہے تو انھیں دے اور اگر نہ چاہے تو نہ دے۔ دوسرے لوگ (یعنی علما) دین کے احکام (یا فرمایا، دین کی باتیں) سکھا رہے ہیں۔ لہٰذا، یہ زیادہ افضل ہیں۔ اور میں بھی تعلیم دینے والا بنا کر ہی بھیجا گیا ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں بیٹھ گئے (تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ تعلیم حاصل کرنے والوں کی جماعت خاص ہے)۔

تیسری روایت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جو بنی اسرائیل میں تھے۔ ایک تو عالم تھا جو فرض وغیرہ پڑھ لیا کرتا تھا اور پھر لوگوں کو دین کی تعلیم دینے بیٹھ جاتا تھا۔ دوسرا، دن بھر روزہ رکھتا اور رات بھر عبادت کرتا۔ ان میں سے کون سا افضل ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان میں سے جو عالم تھا اور فرض (مع اس کے متعلقات کے) پڑھ لیتا اور پھر لوگوں کو دین کی تعلیم دینے بیٹھ جاتا، اس کی فضیلت اس عابد پر جو دن بھر روزہ رکھتا اور رات بھر عبادت کرتا، ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنا شخص پر ہے۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ علمائے حق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشیں ہیں۔

دنیا کے **کامیاب ترین** افراد...

دنیا کی **بہترین کتابیں** پڑھتے ہیں؛

اگر آپ **بہترین زندگی** چاہتے ہیں...

تو بہترین کتابوں کا **بہترین اُردو ترجمہ** پڑھئے!

سیلف امپرووومنٹ کی معرکہ آرا کتابوں کا واحد مستند اور معیاری اُردو ترجمہ

سید عرفان احمد کے مشّاق اور تجربہ کار قلم سے

قیمت (روپے)	کتاب کا انگریزی نام مع مصنف	کتاب کا عنوان	
200	Life without Limits by **Nick Vijucic**	زندگی محدود نہیں	1
100	Time Management for Beginners	آسان ٹائم مینجمنٹ	2
200	7 Habits of Highly Effective Teens by **Stephen R. Covey**	کامیاب نوجوان	3
200	Mindfulness for Beginners by **University of Messachussettes**	خوشی اور صحت بذریعہ مائنڈفلنس	4
200	The Secrets to Being Happy by **Richard Bandler**	خوشی اور صحت بذریعہ این ایل پی	5
200	Your Erroneous Zones by **Dr Wayne Dyer**	آپ کی پوشیدہ مہارتیں	6
200	Journey to self exploration by **Syed Irfan**	ہمت نہ ہارنا	7
200	I Can Make You Rich by **Paul McKenna**	آیئے، امیر بنیں	8
200	How to Remain Ever Happy by **M K Gupta**	آسان خوشی	9
200	Power of Self Confidence by **Brian Tracy**	بھرپور خوداعتمادی	10
200	Compound Effect by **Darren Hardy**	کامیابی دَر کامیابی	11
200	Myths and facts about Mind Science	مائنڈ سائنس: کتنی حقیقت، کتنا جادو	12
400	30 Days course on Breathing Therapy	سب سے پہلے سانس	13

منفی خیالات و جذبات
کنٹرول کیجیے

2 HOURS to 13 WEEK / 9 SESSIONS
***ONLINE* TRAINING PROGRAM**

with **SYED IRFAN**

PKR 999 only

- Master of Emotions
- More Confidence
- Increased Productivity
- Detoxified Body
- Peace of Mind

For any query and registration, please contact:

HAPPYPAKISTAN.CLUB

Cell: 0301-242-77-66
0311-242-77-66
0335-242-77-66
Kamyaby.org@gmail.com